فہرست

ستمبر: 2015ء
شمارہ: 3 جلد: 52

اداریہ		3

یومِ دفاع

6 ستمبر ـــــ چند یادیں' چند باتیں	سعود ساحر	6
لاہور کی گواہی	یونس جاوید	9
پوری قوم ہی میدان جنگ میں تھی	جبار مرزا	15
شہیدوں کا لہو	محمد امجد چوہدری	18
گیت بنے ہتھیار	ابصار احمد	24
جنت کا مکین	انوار ایوب راجہ	30
راہِ حق کے مسافر	لیفٹیننٹ کرنل عارف محمود	36
ہمارا کمسن شہید	میجر سید عمران حسین شاہ	42
پاک فضاؤں کا فخر	خالد مجید	48
عظیم پیشہ بحر ہے میرا جنوں	ارمغان نعیم خان	52
میرا Falcon	خدیجہ محمود	54
صلۂ شہید کیا ہے تب وتابِ جاودانہ	صوبیدار اکبر حسین	57
65 کی جنگ کے ادبی ہیرو ـــــ صوفی تبسم	زاہد مسعود	58

قومیت و نظریہ

برطانوی ہند میں پاکستان کا قومی ترانہ	پروفیسر فتح محمد ملک	62

قومی و عالمی ایشوز

افغانستان کا متوقع منظر نامہ	عقیل یوسف زئی	64

پیٹرن-اِن-چیف
میجر جنرل عاصم سلیم باجوہ ہلالِ امتیاز (ملٹری) - تمغۂ بسالت

پیٹرن
بریگیڈیئر جاوید انور

چیف ایڈیٹر
طاہر محمود
tmabbasi@yahoo.com
ce@hilal.gov.pk

ایڈیٹر
یوسف عالمگیرین
yousafalamgirian@gmail.com
ed.urdu@hilal.gov.pk

مینجنگ ایڈیٹر
غزالہ یاسمین
nona_906@yahoo.com

اسسٹنٹ ایڈیٹر
رانا ظفر اقبال

ایڈیٹوریل سٹاف : محمد امجد - ساجد اقبال
گرافک ڈیزائنر : راجہ ذیشان الیاس
کمپوزنگ : قاری عطاء الرحمٰن، محمد سعید
محمد ارشد صدیقی
پروف ریڈنگ : محمد سلیم اختر
سرکولیشن : نور حسین، توقیر حسین راجہ
قدیر احمد، طارق محمود، شاہد محمود
ویب آپریٹر : مظہر فضل

مارکیٹنگ

کراچی	لاہور
محمود احمد	اسد عارف ڈار
0344-2406600	0321-9467551

نوٹ:
اپنی نگارشات درج ذیل ای میل ایڈریس پر بھجوایئے۔
hilalurdu@gmail.com
ed.urdu@hilal.gov.pk

ہلال انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے
www.hilal.gov.pk
http:\\hilal.pakistanarmy.gov.pk
www.ispr.gov.pk
www.pakistanarmy.gov.pk

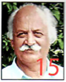

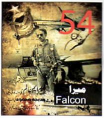

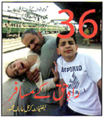

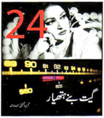

فکرودانش

ریاست' آئین اور دفاعی ادارے	ڈاکٹر نعمان نیئر کلاچوی	70

متفرقات

صدیوں پر بھاری لمحوں کے رشتے	حمید اختر	73
بلوچستان کا بہادر سپوت	فہیم خان	76
میں نے ماں کا چہرہ کب غور سے دیکھا تھا	محمد توفیق	80
گلگت بلتستان کی ترقی میں پاک فوج کا کردار	سید بہادر علی سالک	84
ماضی کے دریچوں سے (26 نومبر 1948)		90

نوٹ:

ہلال میں شائع ہونے والی تحریروں میں جن خیالات، حوالہ جات اور آراء کا اظہار کیا جاتا ہے وہ مضمون نگاروں کے ذاتی ہوتے ہیں۔ افواجِ پاکستان کا پالیسی کے حوالے سے ان سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہلال کا ایڈیٹوریل بورڈ شمارے میں شائع شدہ اشتہارات کے غیر حقیقی ہونے کا بھی ذمہ دار نہیں ہے۔

رابطہ

فون (ملٹری) 34605 (سول) 051-9274345
32239 051-9271617
فیکس (ملٹری) 34605

بذریعہ بنک ڈرافٹ/منی آرڈر/کراسڈ چیکس
ماہانہ: 150 روپے
سالانہ قیمت : 1200
★ کراسڈ چیک کی صورت میں 50 روپے اضافی بھیجنا ہوں گے
بنام: ایڈیٹر ہلال' آئی ایس پی آر ڈائریکٹوریٹ
ہلال روڈ' جی ایچ کیو' راولپنڈی۔
کوڈ: 46000

سالانہ خریداری پر
33.33 فیصد
رعایت حاصل کریں۔

ہلال (اردو، انگلش)
کے سالانہ خریدار بنیئے
600 روپے بچایئے

ABC سے تصدیق شدہ (Regn # 337-A)

قیمت ہلال اردو: -/75 روپے

سرورق: شہزاد نواز

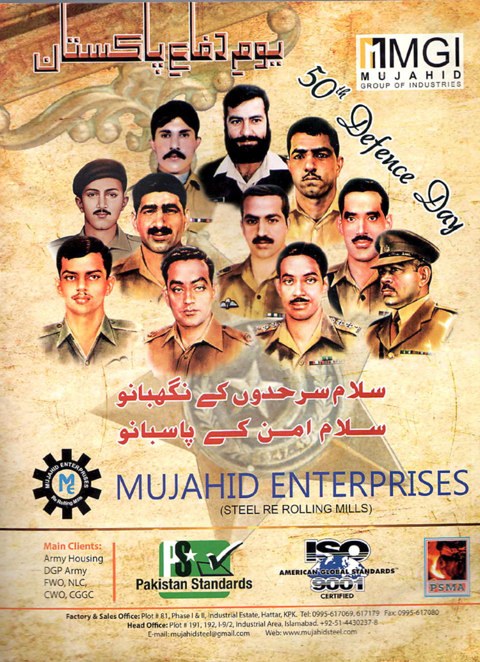

یومِ دفاعِ پاکستان
MGI
MUJAHID
GROUP OF INDUSTRIES
50th Defence Day
سلام سرحدوں کے نگہبانو
سلام امن کے پاسبانو
MUJAHID ENTERPRISES
(STEEL RE ROLLING MILLS)
Main Clients:
Army Housing
DGP Army
FWO, NLC,
CWO, CGGC
Pakistan Standards
ISO
AMERICAN GLOBAL STANDARDS
9001
CERTIFIED
PSMA
Factory & Sales Office: Plot # 81, Phase I & II, Industrial Estate, Hattar, KPK. Tel: 0995-617069, 617179 Fax: 0995-617080
Head Office: Plot # 191, 192, I-9/2, Industrial Area, Islamabad. +92-51-4430237-8
E-mail: mujahidsteel@gmail.com Web: www.mujahidsteel.com

نا قابلِ تسخیر ہیں ہم

6 ستمبر 2015 ان حالات میں آیا ہے کہ جب قوم دہشت گردی کے خاتمے کے لئے جاری آپریشن ضرب عضب کے ثمرات نمایاں ہوتے دیکھ رہی ہے۔ گزشتہ ایک دہائی سے قوم دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہی ہے۔ ضرب عضب کی کاری ضرب کی بدولت دہشت گردوں کا نیٹ ورک غیر مؤثر ہو چکا ہے۔ پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف ملنے والی گرانقدر کامیابیاں افواجِ پاکستان کے سپوتوں اور پاکستانی شہریوں کی اُن قربانیوں کی مرہون منت ہیں جو انہوں نے ملک کی سلامیت اور دفاع کے لئے سرانجام دی ہیں۔

ہماری افواج کے دلیر افسر اور جوان آج بھی مختلف محاذوں پر پاکستان دشمنوں اور انتشاری قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ ملک کی سلامتی اور بقاء کے لئے قوم کے یہ بیٹے اپنا خون نچھاور کر کے دشمن کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ وہ اُن کے جیتے جی پاکستان کی سلامتی کو متزلزل کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا اور اسے ہر جارحیت کی صورت میں منہ کی کھانا پڑے گی۔ بالکل اسی طرح جیسے جنگِ ستمبر میں عددی اعتبار سے ایک بڑے دشمن نے پاکستان کو جارحیت کا نشانہ بنانے کی سعی کی لیکن پاک فوج نے دشمن کو نہ صرف بی آر بی نہر پار نہیں کرنے دی بلکہ دشمن کے، مونا باؤ اور کھیم کرن سمیت، کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ پاکستانی فوج اور قوم کا جذبۂ حریت دیکھتے ہوئے دشمن نے ایک تیسری بڑی طاقت کو درمیان میں لا کر تاشقند معاہدے کے ذریعے اپنی جان چھڑائی۔

الحمدللہ قوم آج بھی پینسٹھ کے جذبے سے سرشار ہے اسی لئے قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہے اور اس کی بہادر افواج اندرونی اور بیرونی سرحدوں کی حفاظت کے لئے چوکس ہیں۔ افواجِ پاکستان اور ملکی سلامتی سے متعلق دیگر ادارے نہ صرف دشمن کی جانب سے ملک و قوم کو لاحق خطرات سے آگاہ ہیں بلکہ ان کی سرکوبی کے لئے بھی میدان عمل میں موجود ہیں۔ افواجِ پاکستان جدید ترین دفاعی ساز و سامان سے لیس ایسی پیشہ ورانہ افواج ہیں جن کا مقابلہ دنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ ممالک کی افواج کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ مضبوط دفاعی صلاحیت ہی کسی ملک کے مضبوط دفاع کی ضمانت ہوا کرتی ہے اور پاکستان الحمدللہ مؤثر ترین دفاعی صلاحیت رکھنے والا ایک ایسا ملک ہے جس کی قوم پوری مضبوطی کے ساتھ اپنی افواج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ 65 کا جذبہ گویا قوم کے خون میں آج بھی موجزن ہے جو پاکستان کے روشن اور محفوظ مستقبل کی عکاسی کرتا ہے۔ انشاءاللہ وہ دن دُور نہیں جب وطنِ عزیز میں امن کا دَور دورہ ہوگا اور پاکستان کا پرچم دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی صف میں نمایاں طور پر لہراتا دکھائی دے گا۔

یوسف عالمگیرین

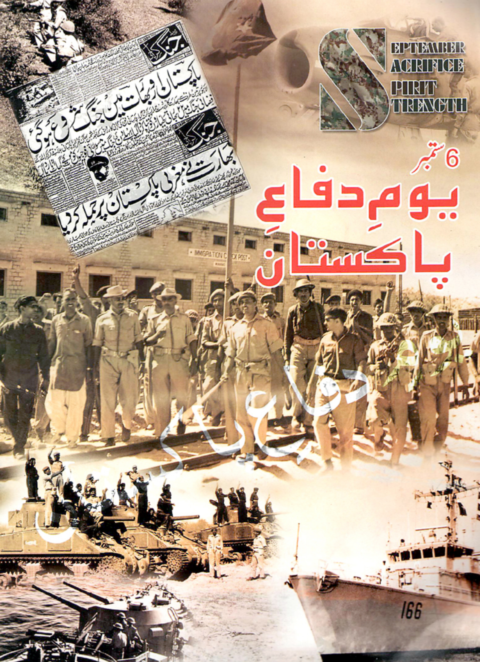
SEPTEMBER
SACRIFICE
SPIRIT
STRENGTH
6 ستمبر
یومِ دفاعِ
پاکستان
جنگ
پاکستان اور بھارت میں جنگ شروع ہو گئی
بھارت نے مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا
IMMIGRATION CHECK POST
166

A leap forward by Fauji Cement

Installation of ...

WASTE HEAT RECOVERY POWER PLANT

- 12MW Power Generation by utilizing Waste Heat of Cement Plant
- Reducing Burden on National Grid
- Compliance with International Standards of emission
- Committed to protect the Environment by reducing emission of CO^2 by 40,000 tons yearly

Launched New Products ...

LOW ALKALI CEMENT

- Used in Bridges, Dams, Sea walls and reservoirs
- Reduces the risk of Alkali Silica reaction in Basements, retaining walls & Foundations

SULPHATE RESISTANT CEMENT

- No seepage / no sinking down of building.
- Used in Structures susceptible to chemical attacks, Water and seaverage pipelines, pipelines, treatment plant plants, Wharfs and harors, Mines and other acidic soil environments

FAUJI CEMENT COMPANY LIMITED

Aslam Plaza, 60-Adamjee Road, Saddar, Rawalpindi Cantt,
Ph: 92-51-5528963-64, Fax: 92-51-5528965-66
www.fccl.com.pk

بینک اسلامی
BankIslami
سرحدوں کے امین... سلام تم پر
یومِ دفاع تاریخ ساز دن ہے جب افواج پاکستان نے بہادری کی نئی داستانیں رقم کیں اور اپنی جان کا نظرانہ دے کر اس
سرزمین پاک کی سرحدوں کی بھرپور حفاظت کی۔ تمام اہل وطن پاک فوج کے شہداء کو سلام پیش کرتے ہیں۔ آیئے آج عہد
کریں کہ پاکستان کو امن کا گہوارہ بنادیں گے اور ثابت کردیں گے کہ ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں۔
317 BRANCHES 93 Cities
Serving you, the Right way
BankIslami Pakistan
www.bankislami.com.pk
24/7 Phone Banking
111-ISLAMI (111-475264)

6 ستمبر۔۔۔چند یادیں‘ چند باتیں

سعود ساحر

کہتے ہیں کہ اچھے وقتوں کی یادیں کلفت کے لمحوں میں ٹھنڈی اور خوشگوار ہواؤں کی مانند ہوتی ہیں۔ 6 ستمبر بھی ایک ایسی ہی، روح کو طمانیت دینے اور حوصلوں کو جلا بخشنے والی، یاد ہے۔ وہ جوانی کے دن تھے‘ جسم میں توانائی تھی‘ ذہن میں اجالے تھے‘ شاعروں کی محافل تھیں‘ چہروں پہ تازگی تھی۔ آج جب سہولت کا زمانہ ہے، ایسے میں 6 ستمبر کا تصور اجاگر ہوتا ہے تو سرور و کیف کے لمحے لوٹ آتے ہیں۔ ذہن میں نغمے گونجنے لگتے ہیں۔ ''اے دشمن دیں تو نے کس قوم کو للکارا۔'' ''اے وطن کے سجیلے جوانو میرے نغمے تمہارے لئے ہیں۔''

جن بچوں کو گود میں بھر کر ٹرنچ میں ماں کے حوالے کرنا پڑتا تھا، آج وہ وطن کے سجیلے جوانوں کی صف میں کھڑے قدم قدم وطن کی رکھوالی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ سیاچن کی آسمان کو چھوتی ہوئی بلندی ہو یا صحراؤں کی آگ اگلتی وطن کی ریت، یا ایسا خطہ وطن جہاں سردی‘ گرمی کا موسم آنکھ مچولی کھیلتا ہو۔ یہ سربلند نوجوان ہر دم صدا لگاتے ہیں۔ آرام کی نیند سونے والو! ہم جاگ رہے ہیں۔ ذہن میں برسوں پرانے مناظر ذہن کی سکرین پر فلم کی طرح چلتے ہیں۔ 5 ستمبر کی ڈھلتی ہوئی شام کو میں بھلا سکتا ہوں؟ جب ہمارے چیف رپورٹر غیور احمد اور فوٹو گرافر عجیب حال میں نیوز روم میں داخل ہوئے۔ سر سے پاؤں تک کیچڑ میں بھرے ہوئے‘ خشک ہوتا ہوا کیچڑ یوں کپڑوں سے فرش پر گر رہا تھا جیسے ہلکی بارش میں بوندیں پڑتی ہیں۔ مقامی ایڈیٹر شورش ملک مرحوم نے دریافت کیا کہاں سے آ رہے ہو اور حالت کیا بنا رکھی ہے؟ پتہ چلا کہ آئی ایس پی آر والے خطہ متارکہ جنگ پر اخبار نویسوں کو لے کر گئے تھے۔ جہاں بھارت کے جنگی طیاروں نے حملہ کیا۔ جان بچانے کو جس خندق یا گڑھے میں چھلانگ لگائی، اس میں جو کچھ تھا کپڑوں اور جسم کا حصہ بنا۔ غیور احمد ایک لائق رپورٹر تھے، کم گو اتنے کہ دفتر میں ان کی آواز بہت کم سنی جاتی مگر لگتا تھا کہ آج وہ اگلی پچھلی کسر پوری کرنے پر آمادہ ہیں۔ ان کی گفتگو میں خوف یا تشویش کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ بلکہ جذبوں کی فراوانی تھی۔ میجر صدیق سالک کی اخبار نویسوں سے گفتگو کا حوالہ دیتے کہ انشاءاللہ چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گے۔

پھر فیلڈ مارشل ایوب خان کی وہ تقریر کروڑوں پاکستانیوں کے جسموں میں توانائی کے انجکشن کا کام کر گئی۔ ضیغم زیدی (مرحوم) کی اس موقع پر بنائی ہوئی تصویر جسے حکومت نے اعزاز سے نوازا، آج بھی راولپنڈی پریس کلب کے مرکزی ہال میں لگی ہوئی ہے۔

6ستمبر ایک ایسا دن اور تاریخ ہے جس کا ہر لمحہ، ہر ساعت اپنی علیحدہ شناخت رکھتی ہے۔ یہی تو وہ دن ہے جب زندگی کا ہر شعبہ، ہر گوشہ اتحاد، یکجہتی اور یگانگت کی علامت بن گیا۔ سیاسی اختلافات طاق نسیاں پر رکھ دیئے گئے۔ سارے دائیں بائیں بازو ایک دوسرے کا دست و بازو بن گئے۔ دینی رہنما ایک صف میں کھڑے نظر آئے۔ شاعروں نے اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ گانے والوں نے اپنی آواز کا جادو جگایا۔ اُفق تابہ اُفق ہم نظری کے منظر ابھرے۔ ■

مسلح افواج کے محکمہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کی سربراہی ایک نامور صحافی جناب زیڈ اے سلہری کر رہے تھے، وہ ان دنوں کرنل سلہری کہلاتے تھے اور انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں تحریر و تقریر میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وفاقی وزارت اطلاعات کے سیکرٹری کے منصب پر جناب الطاف گوہر فائز تھے۔ گفتگو کا وہ انداز کہ:

؎ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ہر روز راولپنڈی کے پانچ ستارہ ہوٹل میں محفل جمتی اور ہر محاذ کی تازہ ترین خبروں کے ساتھ یہ دونوں حضرات حاضرین کی توجہ کا مرکز ہوتے۔ ملکی اور غیر ملکی اخبار نویس مختصر سی گفتگو کے بعد سوال و جواب کی صورت میں خبریں حاصل کرتے۔ یہ بہت بعد میں معلوم ہوا کہ ایک چلتا پھرتا ریڈیو سٹیشن میجر مجیب الرحمٰن (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل کی حیثیت سے وفاقی سیکرٹری اطلاعات بھی رہے) کی سربراہی میں دم بدم حوصلوں کی سوغات بانٹتا اور دشمن کے جھوٹ کا پول کھولتا تھا۔ پاکستان ٹیلی ویژن ابھی اپنے خدوخال سنوارنے کی کوشش میں لگا تھا' جبکہ ریڈیو پاکستان پر شکیل احمد کا اردو خبریں پڑھنے کا اپنا انداز تھا۔ خبر کے ساتھ اس کا لہجہ دلوں کو ولولہ تازہ عطا کرتا تھا۔ جب وہ ہلواڑہ کے ملیامیٹ ہونے کی اطلاع دیتا تو نگاہوں کے سامنے پاک فضائیہ کے طیاروں کا جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کا منظر اجاگر ہو جاتا اور ایک ہی وار میں ایم ایم عالم کی دشمن کے کئی طیاروں کو ملبے کا ڈھیر بنانے کی، اطلاع سے دل شاد ہو جاتا۔ انگریزی خبریں پڑھنے والی دو خواتین بھی اپنی آواز کا جادو جگاتیں۔ جنہیں انیتا غلام علی اور شائستہ زید کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ان تینوں کی تصاویر آج بھی پارلیمنٹ بلڈنگ کے پریس روم میں آویزاں ہیں۔ لگتا ہے ابھی پریس روم میں آواز گونجے گی۔ "اب آپ شکیل احمد سے خبریں سنیئے۔" ہر سینئر و جونیئر ان کے نام اور لاجواب کام سے آگاہ ہے۔

سرگودھا اور سیالکوٹ اپنی آن، بان اور شان سے جیتے جاگتے ہمارے وہ شہر ہیں جن کے ساتھ جنگ ستمبر کی ایسی یادیں وابستہ ہیں جو ہماری سربلندی کا استعارہ ہیں۔ سیالکوٹ جہاں بھارتی ٹینکوں کا قبرستان بنا تھا، سرگودھا جو ہماری فضائیہ کی شان کو دوبالا کرتا ہے یہ 6 ستمبر 65 کے بہت بعد کی بات ہے کہ سرگودھا میں ایئر مارشل شربت علی چنگیزی نے منتخب اخبار نویسوں کو F-16 کے بارے میں بریفنگ دی اور فضائیہ کے اس شیر دل افسر سے بھی ملوایا جسے ایف سولہ کا پہلا ہواباز ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ایئر مارشل شربت علی چنگیزی کی گفتگو کے اختتام پر سوال و جواب کا مرحلہ آیا تو ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر خدانہ کرے دشمن کہوٹہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کرے تو ہمارا تحفظ کا فول پروف نظام موجود ہے؟ ایئر مارشل چنگیزی کا جواب ایک ایسی حقیقت ظاہر کر گیا جس پر ہر مسلمان کا ایمان تو ہے مگر ہماری فکر کا زندہ حصہ نہیں ہے۔ محترم چنگیزی (مرحوم)، اللہ تعالیٰ اُن کی قبر نور سے بھر دے (آمین) نے فرمایا کہ جناب میں مسلمان ہوں اور میرا یہ ایمان ہے کہ کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے، کوئی فول پروف نہیں۔ ہر وجود نے بے وجود ہونا ہے۔ بس ایک کائنات کے خالق کی ذات ہے جسے اندیشۂ زوال نہیں۔ ہم نے اپنے حساس مقامات کی حفاظت کا انسانی بساط سے بڑھ کر بندوبست کیا ہے۔ اس کے باوجود خدانہ کرے دشمن کوئی ایسی نازیبا جرأت کرے تو ہم ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر (چھڑی سے نقشہ پر گول دائرہ بناتے ہوئے) ان کے کئی شہروں کا نشان مٹا دیں گے۔ یہ بات برسبیلِ تذکرہ آ گئی۔ ذکر 6 ستمبر کا تھا۔ یوں بھی ہماری مسلح افواج ہر دن کو 6 ستمبر کی طرح پوری مستعدی کے ساتھ گزارتی ہیں۔ یہی ہماری نیوکلیئر ڈاکٹرائن بھی ہے۔

6 ستمبر ایک ایسا دن اور تاریخ ہے جس کا ہر لمحہ، ہر ساعت اپنی علیحدہ شناخت رکھتی ہے۔ یہی تو وہ دن ہے جب زندگی کا ہر شعبہ، ہر گوشہ اتحاد، یکجہتی اور یگانگت کی علامت بن گیا۔ سیاسی اختلافات طاق نسیاں پر رکھ دیئے گئے۔ سارے دائیں بائیں بازو ایک دوسرے کا دست و بازو بن گئے۔ دینی رہنما ایک صف میں کھڑے نظر آئے۔ شاعروں نے اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ گانے والوں نے اپنی آواز کا جادو جگایا۔ اُفق تا بہ اُفق ہم نظری کے منظر ابھرے۔ جمیل الدین عالی' احمد ندیم قاسمی' صوفی تبسم' اثر آفریں اشعار کہتے۔ ساز و آواز کے ناموروں نے انہیں ہوا کے دوش پر ڈالا۔ نور جہاں نے اپنی سحر انگیز آواز اور اپنے نغمات وطن کے سجیلے جوانوں کے نام کئے۔ غرض جو جہاں تھا وطن کی پاسبانی کے لئے سینہ سپر ہو گیا۔ ایک ہی نعرہ ہر زبان پر تھا۔ "اے دشمن دیں تو نے کس قوم کو للکارا، لے ہم بھی ہیں صف آراء۔" ہمارے شیر دل جوانوں نے بلند آواز سے صدا دی اور اس قوم کو زندہ حقیقت میں ڈھال دیا۔

ہم چٹانیں ہیں کوئی ریت کا ساحل نہیں
شوق سے شہر پناہوں میں لگا دو ہم کو

عجیب دن تھا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ بن گیا تھا۔ کیا تاجر' کیا صنعت کار' کیا پنساری' کیا پٹواری' کیا قصاب ایک ایک فرد نے اپنے گرد حب وطن کا حصار کھینچ لیا تھا۔ ناجائز منافع خوری ناپید ہو گئی تھی۔ اشیاء کی قلت کا تصور معدوم ہو گیا تھا۔ بازاروں' گلیوں' محلوں میں جرائم عنقا ہو گئے تھے۔ محافظانِ وطن سرحدوں پر دشمن کے سامنے سینہ سپر تھے۔ ایک ایک انچ کی رکھوالی کے لئے جان نچھاور کرنے والے ایک دوسرے سے بازی لے جانے پر تلے تھے۔ گلیوں اور کوچہ و بازار کی نگہبانی کا فرض عام آدمی ادا کرنے کے لئے مستعد تھا۔ کوئی اجنبی اپنی شناخت کرائے بغیر راتوں کو مٹرگشت نہیں کر سکتا تھا۔ زندہ دلان لاہور' لاٹھی' ڈنڈا جو کچھ بھی ہاتھ لگا، لے کر واہگہ بارڈر کی طرف دوڑ لگاتے۔ بمشکل ان کاموں کی طرف متوجہ کیا جاتا جو عام شہری کا کر سکتا ہے۔ پھر گلی کوچوں میں ضروری اشیاء کے ڈھیر لگے۔ وار فنڈ میں خواتین نے زیور' مردوں نے نقد رقم اپنی مقدور سے زیادہ دیا۔ سرحدوں کے قریب آباد علاقوں سے جنگ کے سبب نقل مکانی کرنے والوں کے لئے اشیائے ضروریہ کے ڈھیر امدادی مراکز میں لگا دیئے۔ جنگ کے اختتام پر ایک مرحلہ وہ بھی آیا جب مورچوں میں بیٹھے ہوئے افسروں اور جوانوں کو کتابوں اور رسائل کی طلب ہوئی تو لوگوں نے مقررہ مقامات پر کتابوں اور رسالوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

شورش ملک صاحب مرحوم ہمارے نیوز ایڈیٹر تھے اور برادری کے معتبرین میں شمار ہوتے تھے۔ چکوال کی سرزمین کے سپوت' فوجی خاندان کے فرد۔ انہوں نے پریس کلب کی جنرل باڈی کے اجلاس میں تجویز دی کہ تمام اخباروں کے کارکن

بندوق بردار ہو یا قلم بدست' سڑک پر پتھر توڑ رہا ہو کہ مدرسے میں علم بانٹنے کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ نماز میں پیش امام ہو کہ مقتدی' ہر فرد اسی جذبے سے سرشار تھا۔ یہ جذبہ اب کی بار پھر واپس لانے کا وقت ہے۔ اسی میں وطن عزیز کی سلامتی اور بقا جڑی ہوئی ہے۔ آج پھر وانا سے کراچی تک میرے جانباز دہشت گردی کے عفریت کی سرکوبی میں لگے ہیں۔ اپنے لہو سے گلشن کی آبیاری میں لگے ہیں۔ ■

ایک دن کی تنخواہ وار فنڈ میں دیں۔ سو یہ سعادت بھی اسی زمانے کے صحافیوں کو نصیب ہوئی۔ شورش ملک جنگی نغموں کو دیوانگی کی حد تک پسند کرتے تھے۔ بالخصوص نور جہاں کے گائے ہوئے نغمے اس قدر پسند تھے کہ جونہی ریڈیو پر نور جہاں کی ملکوتی آواز گونجتی' ملک صاحب قلم میز پر رکھ دیتے۔ جتنی دیر نغمہ گونجتا نیوز روم میں کام بند رہتا۔ شعبہ کتابت میں الگ ریڈیو موجود تھا۔ دفتر کے سامنے عیدگاہ میں گوالمنڈی کی بیشتر آبادی کے لئے خندقوں کا بندوبست تھا' مگر ملک صاحب سائرن بجنے پر کسی کو کرسی سے اٹھنے نہ دیتے۔ کہتے جان کی حفاظت لازم مگر وقت پر کاپی پریس کو پہنچانا ہر چیز سے زیادہ اہم۔ شورش ملک شاعر بھی تھے۔ مگر مشاعروں میں جانا وقت کو بے مقصد ضائع کرنا سمجھتے تھے اور اپنے اشعار کو محفوظ رکھنے کا تکلف بھی نہ کرتے۔ شاعری کو ذریعہ عزت سمجھنے سے منکر تھے۔ مگر کوئی واقعہ' کوئی سانحہ' کوئی غیر معمولی لمحہ ضرور آتا کہ ملک صاحب شہ سرخی ادھوری چھوڑ کر آنکھیں موندھ لیتے۔ کرسی کی پشت پر جا لگتے' نیوز روم کی طویل میز پر بیٹھے تمام سب ایڈیٹر چوکنے ہو جائے کہ نزول اشعار کا مرحلہ ہے۔ چند منٹ بعد بیداری کے عالم میں آتے اور چند شعر سنا کر اپنے کام میں لگ جاتے۔ کوئی شعری ذوق رکھنے والا کاغذ پر اتار لیتا تو درست ورنہ اگلے دن خود شورش ملک بھی سنا نہ پاتے کہ گزری ہوئی رات میں دل و دماغ پر کیا واردات گزری جو اشعار میں ڈھل گئی۔ ایسا ہی ایک لمحہ تھا کہ اے پی پی کی کریڈ پر ایک خبر پڑھ کر شورش ملک عالم استغراق میں چلے گئے۔ اس کیفیت سے نکلے تو دو اشعار سنا کر خبر ایک سب ایڈیٹر کے حوالے کر کے اپنے دل پسند مشغلے میں لگ گئے یعنی سگریٹ نوشی۔ خبر یہ تھی کہ واہگہ سرحد پر دو بانکے سجیلے جوان راہ حق میں شہید ہو گئے اور اپنے خون سے سرحد کی ایسی دائمی لکیر بنا گئے جسے عبور کرنا دشمن کے لئے کسی طور ممکن نہیں۔ دونوں شعر آج تک لوح ذہن پر محفوظ ہیں۔ شہید ہونے والے دو میجر تھے۔ میجر عزیز بھٹی شہید اور میجر عبدالحبیب شہید بعد میں نشان حیدر عزیز بھٹی شہید کے نام ہوا۔ دنوں اشعار حاضر خدمت ہیں۔

اپنے لہو سے روشن کر دیں گلیاں اس ویرانے کی
گرچہ تنگ بہت تھیں راہیں شہر وفا کو جانے کی
جان تھی اک جو حاضر کر دی پھر بھی رہے شرمندہ سے
دل والے خود ہی لکھ لیں گے سرخی اس افسانے کی

ہماری سرحدوں پر نامور سپوتوں کے مزار اور بے نام شیر دل جوانوں کی قبور اس مقدس سرزمین کی پاسبانی کا عہد نامہ نہیں تو کیا ہے؟ یہ بہادری، شجاعت اور جوانمردی کی داستانیں جو ہمارے شہیدوں اور غازیوں نے رقم کیں، یہ بہادری چودہ سو سالہ تاریخ کا تسلسل ہے۔ عرب سے عجم تک کوئی چاہے تو نقش قدم گن لے، ہر عہد میں ہمارے بہادروں نے اس میثاق کا بھرم رکھا ہے۔

یہ شبیر شریف' عزیز بھٹی' سرور' سرفراز رفیقی' جنرل افتخار جنجوعہ' راشد منہاس' میجر طفیل' لانس نائیک محفوظ' لالک جان' کیپٹن کرنل شیر خان اور سیکڑوں دوسرے شہداء اور غازی ہماری عسکری تاریخ کے وہ روشن ستارے ہیں جو سر اٹھا کر جینے اور سر کٹا کر قوم کی زندگی کا سامان کرنے کی راہ دکھاتے ہیں۔ ایک طویل عرصے تک اخبار نویسوں کا گروہ' اپنے قائد محمد نواز رضا کی قیادت میں ساری رات 6 ستمبر کا سورج طلوع ہونے تک پریس کلب میں رت جگا کرتا اور توپوں کی گھن گرج میں کیپٹن سرور شہید کے مزار پر حاضری کے لئے روانہ ہوتا۔ پھولوں کی چادر چڑھاتا، ملک کی سلامتی' سیاسی اور معاشی استحکام کی دعا کرتا۔ اپنی بڑھتی ہوئی عمر اور گھٹتی ہوئی جسم و جان کی توانائی کے سبب اس کاررواں کا حصہ بننے سے قاصر ہوں تاہم 6 ستمبر کو صبح کاذب سے صبح صادق تک خود کو دعاؤں میں مصروف رکھتا ہوں۔ کہانی طویل ہے۔ تیسری نسل تک اس کی خوشبو اور چمک پہچانا بھی لازم ہے۔ اس عہد کے ایک واقعے کا تذکرہ لازم ہے جو اپنی تمام جزئیات کے ساتھ آج بھی ذہن میں محفوظ ہے۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو فوجی وردی میں ملبوس کرنل زیڈ اے سلہری اور سوٹ پہنے جناب الطاف گوہر ساتھ ساتھ کرسیوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی اخبار نویس مقابل بیٹھے ہیں۔ آج کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اس دن کی بات ہے جس دن بھارت کے سرپھرے جنرل نے آب ناپاک (شراب) لاہور کے جمخانہ کلب میں ''پینے'' کی خواہش کی۔ ایک غیر ملکی اخبار نویس کا سوال تھا اگر ایسا ہوا تو آپ کیا کریں گے؟ یوں لگا جیسے دونوں بزرگوں کو بجلی کی ننگی تار چھو گئی ہے۔ دونوں کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ اور ایک ہی جملہ دونوں نے نعرے کی صورت میں ادا کیا۔ مسٹر ہم تو اس دنیا میں نہیں ہوں گے۔ وطن پر قربان ہونے سے بچ جانے والوں سے پوچھنا کہ وہ کیا کریں گے؟ بندوق بردار ہو یا قلم بدست' سڑک پر پتھر توڑ رہا ہو کہ مدرسے میں علم بانٹنے کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ نماز میں پیش امام ہو کہ مقتدی' ہر فرد اسی جذبے سے سرشار تھا۔ یہ جذبہ اب کی بار پھر واپس لانے کا وقت ہے۔ اسی میں وطن عزیز کی سلامتی اور بقا جڑی ہوئی ہے۔ آج پھر وانا سے کراچی تک میرے جانباز دہشت گردی کے عفریت کی سرکوبی میں لگے ہیں۔ اپنے لہو سے گلشن کی آبیاری میں لگے ہیں۔

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یونس جاوید

لاهور کی گواهی

چودھری محمدحسن کی چھت سب سے بلند تھی۔ چودھری صاحب پکارے: "مظفر... پیرا شوٹ سے سولجر اُترنے کا خطرہ ھے' تم ڈنڈا لے کر ٹھل رھے ھو..." مظفر نے پورا زور لگا کر جواب دیا: "چودھری صاحب جو میری چھت پر اُترے گا' وہ لاش بن کر جائے گا۔ رب سچے کی سونھہ... میرا تو ارمان یہ ھے کہ میری چھت اُن کی لاشوں سے بھر جائے۔" پھر اس نے نعرہ لگایا: نعرۂ تکبیر... نعرۂ تکبیر... نعرئہ تکبیر..." پہلے کوئی نہ بولا تیسرے نعرے پرھر چھت سے آوازیں ابھرنے لگیں "اللّٰہ اکبر... اللّٰہ اکبر... اللّٰہ اکبر..." پھر تو ھر چھت پر سر ھی سر تھے۔ کوئی خوف تھا نہ ڈر... نہ بھاگ دوڑ تھی۔ جنگ تھی یا تماشا...؟ یھاں تك كہ یہ تماشا اُس وقت ختم ھوا جب تاریخ بدل گئی اور صبح کی اذانیں ھونے لگیں۔

ہوائی حملے کا سائرن ہو رہا تھا۔ سڑک پر چلنے والے اوٹ میں ہونے لگے۔ گاڑیاں رُکنے لگیں اور پل بھر میں ساری سڑک سنسان دکھائی دینے لگی۔

میں بھی ایک محرابی دروازے کے نیچے پناہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ صرف مظفر خان اطمینان سے سڑک کے درمیان چل رہا تھا۔ ''خان'' اس کے نام کا حصہ تھا' وہ جہلم کا رہائشی تھا۔ اس کے ہاتھ میں اپنے پانچ سالہ بچے کا بازو تھا' دونوں پاؤں سے ننگے تھے۔ وہ اطمینان سے یوں چل رہے تھے جیسے صبح کی سیر کرتے ہوئے بعض لوگ گھاس پر ننگے پاؤں چلتے ہیں۔

میں نے مظفر خان کو آواز دے کر کہا: ''خان صاحب شیلٹر میں ہو جائیں ہوائی حملے کا خطرہ ہے۔'' وہ اسی رفتار سے ٹہلتے ہوئے بولا: ''جو لکھی (لکھی) گئی ہے وہ لکھی گئی ہے۔ ڈرنا کس بات کا.....'' رُک کر بولا ''ڈریں وہ جنہوں نے تجوریاں بھر رکھی ہیں' حرام کا مال اکٹھا کیا ہے۔ ہمارے پاس حلال کا نوالہ ہے اور بس۔''

میں نے زور سے کہا' مظفر خان تجوری تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تمہارا بچہ تمہاری حیات بھی ہے تمہارا مستقبل بھی بلکہ اس وطن کا مستقبل بھی۔''

وہ رکا اور مڑ کر محرابی دروازے کو گھورنے لگا جہاں اب اٹھارہ بیس لوگوں نے پناہ لے رکھی تھی مظفر بولا: ''بس بس بس۔ وطن ہے تو میں ہوں۔ ہم سب ہیں۔ حفاظت وطن کی ہونی چاہیے اور وہ میں نے خبروں میں سنا تھا۔ شکیل احمد نے خبروں میں بتایا تھا کہ ہماری افواج نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔'' وہ اپنی انگریزی ملی اُردو میں کہنے لگا۔ ''ویسے بائی داوے...... یہ گدھے کے پتر دشمن کے چھکے ہوتے کیا ہیں باؤ؟''

اسی لمحے سائرن کلیئر ہو گیا۔ لوگ پناہ گاہوں سے ہنستے کھیلتے نکلنے لگے۔ لمحوں میں سڑک ہجوم سے اَٹ گئی۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر لوگ اسی ہوائی حملے کی تفصیلات ایک دوسرے سے شیئر کرنے لگے۔ مظفر خان واپس مڑ آیا اور محرابی دروازے سے برآمد ہونے والے ٹولے میں گھل مل گیا۔۔۔۔ یہ آٹھ ستمبر 1965 کی سہ پہر تھی۔

مظفر خان واقعی ایک نڈر شخص تھا۔ اسی سڑک پر اس کی چھوٹی سی دکان تھی۔ اسی سے گزر اوقات کرتا تھا اور مطمئن تھا۔ 4 ستمبر کی رات لگ بھگ پونے بارہ بجے جب مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے اعلان کیا گیا کہ ''کھیم کرن سے دشمن کے جہاز اڑان بھر چکے ہیں' شاید پیرا ٹروپس اُتریں۔ سب لوگ ہوشیار ہو جائیں۔'' اس دن ایسے میں اندر پناہ لینے کے بجائے مظفر خان اپنی چھت پر

جگمگانے والا لاهور پندره دنوں میں میلا میلا سا لگ رہا تها نوجوان اور زنده دلانِ لاهور تو بارڈر تك پهنچ گئے اور آرمی آفیسرز کی منتیں کرتے کہ همیں محاذ پہ خدمت کرنے کا موقع دیا جائے. مگر مدبر آفیسرز نے انهیں شاباش کی تهپکی دے کر پیار سے واپس بهیج دیا. واپس آتے هوئے اُن کے کندن چهرے اس لئے دهندلا رہے تهے کہ انهیں محاذ پہ اپنے کهولتے لهو کا مظاهره کرنے کی اجازت نہ دی گئی تهی۔ ■

چڑھ گیا۔ میں بھی اوپر چھت پر آ گیا۔ گھر والے پکارتے رہے مگر میں نے مظفر خان کی طرح کسی کی نہ سنی۔ اوپر پہنچا' سامنے والی چھت مظفر خان کی تھی۔ مظفر خان سر پر دوسری جنگِ عظیم کے بچے کھچے سامان میں سے بکنے والا ہیلمٹ پہنے اور کندھے پر گینتی کا ڈنڈا جمائے بالکل سپاہیوں کی طرح لیفٹ رائٹ کرتا ہوا ٹہل رہا تھا۔

چودھری محمد حسن کی چھت سب سے بلند تھی۔ چودھری صاحب پکارے: ''مظفر۔۔۔ پیراشوٹ سے سولجر اُترنے کا خطرہ ہے' تم ڈنڈا لے کر ٹہل رہے ہو۔۔۔'' مظفر نے پورا زور لگا کر جواب دیا: ''چودھری صاحب جو میری چھت پر اُترے گا' وہ لاش بن کر جائے گا۔ رب سچے کی سونہہ۔۔۔ میرا تو ارمان یہ ہے کہ میری چھت اُن کی لاشوں سے بھر جائے۔'' پھر اس نے نعرہ لگایا: نعرۂ تکبیر۔۔۔ نعرۂ تکبیر۔۔۔ نعرۂ تکبیر۔۔۔'' پہلے کوئی نہ بولا تیسرے نعرے پر ہر چھت سے آوازیں ابھرنے لگیں ''اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔'' پھر تو ہر چھت پر سر ہی سر تھے۔ کوئی خوف تھا نہ ڈر۔۔۔ نہ بھاگ دوڑ تھی۔ جنگ تھی یا تماشا۔۔۔؟ یہاں تک کہ یہ تماشا اُس وقت ختم ہوا جب تاریخ بدل گئی اور صبح کی اذانیں ہونے لگیں۔

رَن آف کچھ میں دشمن کو زبردست شکست ہونے کے بعد 4 ستمبر کی سہ پہر کو مال روڈ کی کمرشل بلڈنگ کے کارنر پر سینڈو پان والے کی دکان سے ریڈیو پر میں نے لال بہادر شاستری کی تقریر کا یہ جملہ سنا تھا ''اب ہم اپنی پسند کا محاذ کھولیں گے۔'' تو سب لوگوں نے اُسے قہقہے میں اڑا دیا تھا۔ ''بھلا کوئی انٹرنیشنل بارڈر کراس کر سکتا ہے۔۔۔ نہیں نہیں نہیں'' لوگوں میں بلا کا اعتماد تھا۔ سینڈو پان والے کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اہتمام سے پان لگاتا' سجاتا' گلوری بناتا۔۔۔ مگر یہ گلوری ہاتھ میں ہرگز نہ دیتا۔ آپ کو منہ کھولنا پڑتا تھا اور وہ محبت سے گلوری آپ کے منہ میں رکھ دیتا تھا۔ چار اور پانچ ستمبر کی شب گزرنے کے بعد میں نے سوچا۔۔۔ شاید ''پسند کا محاذ'' بھیم کرن کی اڑان ہی تھی۔۔۔ جو اڑتے ہی واپس چلی گئی تھی۔ پورا لاہور اور اس کے محافظ دشمن کے انتظار میں جاگتے رہے مگر ان کی ہمت بین الاقوامی سرحد پار کرتے ہی جواب دے گئی اور وہ واپس چلے گئے۔

چھ ستمبر کی صبح کو دشمن نے واہگہ بارڈر کراس کر کے بی آر بی سے بھی کچھ آگے نکل کر دیکھا کہ سخت سناٹا ہے۔ پاکستان کی طرف کوئی سپاہی ہے نہ توپ۔۔۔ نہ ٹینک۔۔۔ گہری خاموشی نے ان کی عقل سلب کر لی تھی اور گہرے تجسس نے ان کی نگاہ کو دھندلا دیا تھا۔ وہ اس گہرے سناٹے اور خاموشی کو بھی پاکستان آرمی کی کوئی حکمت عملی تصور کر کے ''بریک'' گئے۔ کبھی وہ انڈین آرمی کے کمانڈر انچیف کی تقریر یاد کرتے جس میں اس نے چھ ستمبر کی شام کو لاہور جم خانہ کلب میں جشنِ فتح کا اعلان کیا تھا اور کبھی اپنے سامنے کی حقیقت کو۔ پہلے تو انڈین آرمی بارڈر کے ایک میل اندر تک چلی آئی اور پھر ان کے اندر ایک بے نام خوف نے انہیں اس حد تک مفلوج کر دیا کہ وہ سرپٹ واپس بھاگے۔ البتہ واپس جاتے جاتے بجلی کے کچھ کھمبے اُکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تا کہ حکم ماننے کا ثبوت دے سکیں۔ میں نے کٹے ہوئے کھمبے خود اپنی آنکھوں سے جا کر دیکھے تھے۔ مگر سترہ دنوں کی جنگ کے بعد۔۔۔

مجھے واہگہ بارڈر کی یادگاروں کو دیکھتے ہوئے یہ تجربہ ہوا کہ ہمت اور ہتھیار میں کیا فرق ہے۔ جذبے اور عقل میں کیا اونچ نیچ ہے اور جنون اور جواں مردی کیا شے ہے۔۔۔ اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے' منزل نہیں ہے

ہمارے جواں مردوں نے ہمیشہ جذبوں کو عشق کی معراج جانا۔ اس پہ کمند ڈالی اور فتح مند لوٹے۔۔۔

ان کا عشق ہی تھا جو اپنے سے پانچ گنا بڑے دشمن کو دھول چٹوا رہا تھا۔ میجر شفقت بلوچ کی کمپنی نے لاہور کے بارڈر پر پانچ گنا بڑے دشمن کو روکے رکھا۔ بی آر بی پار کرنے دی، نہ جم خانے میں بیٹھ کر مشروبات سے دل بہلانے دیا۔ یہ عشق کی وہ منزل ہے جسے اب تدبر کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی عشق کی داستان اپنے ایک شعر میں پرو دی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

دشمن ہمارے وطن کی مقدس سرزمین پر اندر تک آ کر بھی ناکام ہو گیا کہ وہ عقل مند زیادہ تھے۔ ''وہ محوِ تماشائے لبِ بام'' ہی رہے اور پھر بے نام خوف سے شکست کھا کر پلٹ گئے۔ مگر انہیں آسانی سے کہاں جانے دیا گیا۔ میجر شفقت بلوچ کی کمپنی کی تھوڑی سی نفری نے دشمن کو لاشیں اٹھانے پر ایسا مجبور کیا کہ وہ بوکھلا کر اپنے بعض زخمیوں کو بھلا بیٹھے۔ ہر چند کہ انڈین آرمی کے

ہزاروں سپاہیوں کے مقابلے میں شفقت بلوچ کے پاس صرف 96 سپاہی تھے۔ جنہوں نے اپنے لہو کی دیوار سے دشمن کے دانتوں کو اس قدر کھٹا کر دیا کہ اُن کے دانتوں سے پسینہ بہنے لگا۔ اس کمپنی کے 96 جوانوں نے اپنے لہو سے نئی تاریخ رقم کر دی تھی اور لاکھوں عورتوں، بچوں اور جوانوں کو دیرپا تحفظ فراہم کر دیا تھا۔ اس تاریخ کو کسی نے محض ایک لفظ میں سمو کر لاہور والوں کو یاد دلایا تھا اور مجھے بھی آشنا کیا تھا۔

جنگ بندی کے بعد جب ہم ادیبوں کا قافلہ عزیز بھٹی شہید کی شہادت گاہ دیکھنے واہگہ بارڈر کی طرف جا رہا تھا' میں نے دیکھا راستے میں ایک سنگِ میل سینہ تانے کھڑا ہے' جس پر لکھا تھا' 'لاہور سترہ میل' 'اور کسی گمنام سپاہی نے اس میں ایک لفظ کا اضافہ کر کے جنگِ ستمبر کی ساری روداد رقم کر دی تھی۔ اس ابلتے لہو کے جوان نے' 'سترہ' ' کے بعد' 'خونی' ' کے لفظ کا اضافہ کیا تھا جو دور سے صاف پڑھا جا رہا تھا۔

' 'لاہور سترہ خونی میل' 'اور خونی کا لفظ سرخ لہو سے لکھا تھا۔

چھ ستمبر کی صبح بہاروں کی میٹھی ہلکورے بھرتی ٹھنڈی شہار ہوا۔۔۔ صبح سے شام تک کے تجربات' دفتر میں خبریں اور مباحث' دوپہر سے شام تک پاک ٹی ہاؤس میں بیٹھ کر تجزیے اور جنگی ماہرین کے ٹھیک ٹھیک اندازے۔ لگتا تھا انڈین آرمی نے حملہ نہیں کیا' کسی طلسماتی شہر کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ہر شخص نے اس جنگ کے پہلے دن سے ہی خود کو بھرپور اور دلچسپ واقعات اور داستانوں میں گھرا ہوا پایا۔ شام کو بلیک آؤٹ کے اوقات میں ایک جگہ جمع ہو کر ریڈیو پر کپڑا ڈال کر تمام تبصرے' داستانیں اور اگلے مورچوں کے حالات سنے جاتے اور آخری ترانہ سن کر بھی ہمارا جی چاہتا کہ ریڈیو بجتا رہے اور ہم واقعات اور ترانے سنتے رہیں۔ چھ ستمبر کی شام کو گھر لوٹا تو ماں جی نے مجھے گھر داخل ہوتے ہی پوچھا۔۔۔

' 'اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟' '

' 'روز اسی وقت آتا ہوں ماں جی' '

' 'آج کی کچھ خبر بھی ہے تمہیں؟' '

' 'کیا ہوا؟' ' میں انجان بن گیا۔

' 'ہندوستان ٹُٹ مرنے نے ہمارے وطن پر حملہ کر دیا ہے' '

وہ مجھے یوں خبر سنا رہی تھیں جیسے مجھے کچھ خبر ہی نہیں۔

' 'پر تو فکر مند نہ ہو۔۔۔' ' ماں نے تسلی دی اور کہا' ' تمہارے ماموں غلام حیدر خان نے کہا ہے فکر کی بالکل کوئی بات نہیں۔۔۔ ایسی منہ کی کھائے گا دشمن' کہ اس کی نسلیں یاد کریں گی' ' ' 'ماموں غلام حیدر آیا تھا؟' ' میں نے پوچھا۔

' 'وہ پھر آئے گا' وہ تو پل پل کی خبر دیتا ہے مجھے اور حوصلہ بھی۔ آخر آرمی میں ہے۔۔۔ ہربنس پورہ ایمونیشن ڈپو میں اس کی ڈیوٹی ہے۔ جتنا اسے پتہ ہے کسی اور کو نہیں۔ بیٹا جی' تو کپڑے بدل کے کچھ کھالے۔۔۔ وہ آتا ہی ہوگا۔' '

اور واقعی میرے کپڑے بدلنے یا کچھ کھانے پینے سے پہلے ہی ماموں غلام حیدر خان اندر آ گیا اور اندر آتے ہی بولا: ' 'تمہارا چہرہ کیوں اترا اترا ہے۔ کوئی بات ہی نہیں۔۔۔ چار دنوں میں دفع ریٹ ہو جائے گا یہ چھچھورا دشمن۔' ' پھر امی سے کہنے لگا' ' حلیمہ۔۔۔ تم سبز چائے بناؤ بڑے پتیلے میں۔ میں کلچے لے کر آتا ہوں۔ جمیل کی بیٹھک میں سب اکٹھے ہو کر پئیں گے' کھائیں گے' ریڈیو سنیں گے اور قہقہے لگائیں گے۔' '

' 'توبہ توبہ۔۔۔ یہ قہقہے لگانے کا وقت ہے؟ ٹُٹ پینے ہمارے سروں پر بم گرانے آ رہے ہیں اور تمہیں قہقہوں کی پڑی ہے۔۔۔! میں پوچھتی ہوں فوجیوں کو ڈر کیوں نہیں لگتا؟' '

ماموں نے میری ماں جی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا

' 'شہادت کے نشے نے انہیں آسمانوں تک اڑنا سکھا دیا ہے۔' '

' 'ڈر کس چڑیا کا نام ہے۔۔۔' '

پھر ماموں نے دوپہر کا واقعہ سنایا۔ ' 'میں دوپہر کو لانس نائیک بشیر کو اس کے گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔ سامنے اس کے صحن میں چھ سال کی اس کی بچی زلیخا جھاڑو لے کر صحن کی صفائی کر رہی تھی۔ ہوائی حملے کا سائرن ابھی ابھی بجا تھا۔ بشیر نے زلیخا کو ڈانٹ کر کہا' 'سائرن نہیں سنا تم نے؟ اندر کیوں نہیں جاتی' ' زلیخا نے زور زور سے جھاڑو چلاتے ہوئے کہا' 'یہاں۔۔۔ اس جگہ ابو۔۔۔ ادھر ہندوستانی جہاز آ کر گرے گا۔ میں اس کے لئے جگہ صاف کر رہی ہوں۔۔۔' ' ماموں نے کہا' 'ڈر خوف ختم کر دیا ہے اس جنگ نے بچوں تک میں۔' '

☆☆☆

جگمگانے والا لاہور پندرہ دنوں میں میلا میلا سا لگ رہا تھا نوجوان اور زندہ دلان لاہور تو بارڈر تک پہنچ گئے اور آرمی آفیسرز کی منتیں کرتے کہ ہمیں محاذ پہ

سیز فائر کا مقرر کردہ وقت گزرے ساڑھے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ مگر بارود کی بو پھیلتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ صبح صادق ہو گئی۔۔۔ ہر مسلمان مومن جاگ رہا تھا۔ ہر طرف اذانیں شروع ہو گئیں اور دشمن کی گولہ باری نے پسپائی اختیار کرنا شروع کر دی۔ دھماکوں کی آوازیں دور سے دور ہوتی جا رہی تھیں۔ ہم اور سب لوگ وضو کر کے قریبی مساجد میں جا رہے تھے جیسے سرخرو ہونے کا شکرانہ ادا کرنے جا رہے ہوں۔ نئی صبح کا سنہری سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ماموں غلام حیدر ڈیوٹی سے لوٹا تھا۔ ■

چھ ستمبر 1965

چھ ستمبر غازیانِ پاک کی صبحِ سعید
جس نے اپنے نُور سے ایماں درخشندہ کیا
کفر و ظلم و فسق کی افواج نے کھائی شکست
اہلِ حق نے بدر کی تاریخ کو زندہ کیا

بُجھ نہیں سکتا چراغِ نُور پھونکوں سے کبھی
کفر کی آندھی نے اکثر آزمایا مکر سے
اہلِ ایماں نے بڑھائے ہیں قدم جنگ گاہ میں
جُرأتِ ایمان و استقلال و حیط و صبر سے

چھ ستمبر نے حیاتِ تازہ بخشی قوم کو
مشرق و مغرب کو مستِ جامِ وحدت کر دیا
غالب و منصور ہو گے تم ہی ہر میدان میں
بہرِ حق خود کو اگر وقفِ اطاعت کر دیا

چھ ستمبر کی عظیم الشان نُصرت کے لئے
ہم پہ واجب ہے سپاسِ لُطفِ ربِّ ذوالجلال
پرچمِ اسلام و پاکستان پائندہ رہے
اے خدائے بے مثال وائے خدائے لم یزال

آبروئے عالمِ اسلام' فوجِ پاک ہے
خاک میں جس نے ملایا ہے شیاطیں کا غرور
کون دے سکتا ہے طاہر ایسی اُمّت کو شکست
جس کے سر پر سایہ زن ہو رحمتِ ربِّ غفور

پروفیسر طاہر نقاشی

خدمت کرنے کا موقع دیا جائے۔ مگر مدبر آفیسرز نے انہیں شاباش کی تھپکی دے کر پیار سے واپس بھیج دیا۔ واپس آتے ہوئے اُن کے کندن چہرے اس لئے دھندلا رہے تھے کہ انہیں محاذ پہ اپنے کھولتے لہو کا مظاہرہ کرنے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔

لاہور کا دوسرا رخ یہ تھا کہ امیر کبیر خاندان اپنی گاڑیوں پہ مٹی تھوپ کر اور بتیوں پہ براؤن پیپر چسپاں کر کے خاندان اور ضروری سامان سمیت اپنے اپنے آبائی دیہات کی طرف مراجعت کر رہے تھے۔ لہٰذا لاہور خالی خالی لگنے لگا۔ 22 اور 23 ستمبر کی درمیانی رات جو کہ سیز فائر کی رات تھی' سیز فائر کا وقت گزر جانے کے باوجود دشمن کی توپیں مسلسل گولہ باری کرنے لگیں۔ ماموں غلام حیدر نے اس رات جمیل صاحب کی بیٹھک میں ہی سب کو بتا دیا تھا کہ آج رات دشمن پہ بہت بھاری ہے۔ انہیں آرڈر ملا ہوا ہے کہ جس قدر نفری' ایمونیشن اور ٹینک چاہیں لے جائیں مگر لاہور کی جتنی سرزمین پر قبضہ کر سکو' کر لو۔ ماموں نے کہا: ''میں تمہیں لکھ کر دیتا ہوں کہ مولوی حمید' جمیل' ذوالفقار خان اور مظفر خان' سب سن لو۔۔۔ لاہور کی سرزمین میں اللہ کے پسندیدہ ترین بندے اور صوفیاء سو رہے ہیں' یہ دھرتی اللہ کی منظورِ نظر ہے۔ ایک انچ پر بھی قبضہ نہیں ہو سکتا۔ مگر میں اور ابا جی صبح ساڑھے تین بجے تک اپنے گھر کے محرابی چوکھٹ کے نیچے پناہ لئے کھڑے جاگتے رہے کہ سائرن پہ سائرن بج رہا تھا۔ گولہ باری ہو رہی تھی۔ سیز فائر کا مقرر کردہ وقت گزرے ساڑھے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ مگر بارود کی بو پھیلتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ صبح صادق ہو گئی۔۔۔ ہر مسلمان مومن جاگ رہا تھا۔ ہر طرف اذانیں شروع ہو گئیں اور دشمن کی گولہ باری نے پسپائی اختیار کرنا شروع کر دی۔ دھماکوں کی آوازیں دور سے دور ہوتی جا رہی تھیں۔ ہم اور سب لوگ وضو کر کے قریبی مساجد میں جا رہے تھے جیسے سرخرو ہونے کا شکرانہ ادا کرنے جا رہے ہوں۔ نئی صبح کا سنہری سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ماموں غلام حیدر ڈیوٹی سے لوٹا تھا۔

ماموں غلام حیدر نے کڑک کر بتایا۔۔۔ ''میں نے کہا تھا ناں۔۔۔ ایک انچ پہ بھی دشمن قبضہ نہیں کر سکتا۔ البتہ ہمارا صوبیدار خلاص خان آرڈر کے باوجود مورچہ نہیں چھوڑ رہا تھا' فائر بند ہی نہیں کر رہا تھا۔'' اس نے کہا ''میں تب فائر بند کروں گا جب میرا صاحب میجر کریم بخش مجھے آرڈر کرے گا۔ میجر کریم بخش خود اُسے آرڈر کرنے کے لئے مورچے تک آیا۔۔۔ اور جنگ بندی کا آرڈر کیا۔ تب خلاص خان نے پُرزور حسرت سے کہا: ''صاحب جی آپ نے میرا ارمان پورا نہیں ہونے دیا۔۔۔ چلو خیر ہے۔ پھر سہی۔۔۔۔۔۔!!''

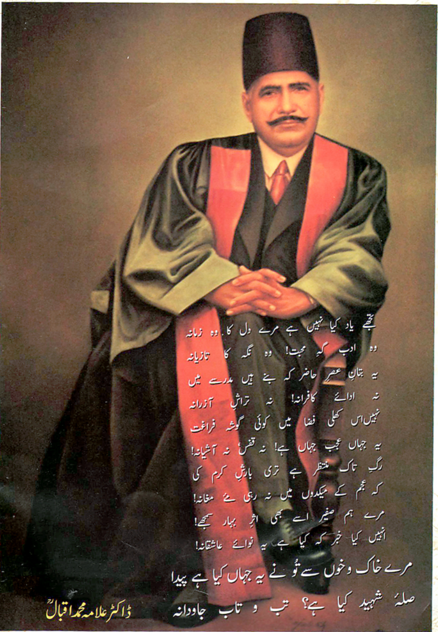

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہِ محبت! وہ نگہ کا تازیانہ
یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ! نہ تراشِ آزرانہ
نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے! نہ قفس، نہ آشیانہ!
رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مے مغانہ!
مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے!
انہیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ!
مرے خاک وخوں سے تُو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ
ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

پوری قوم ھی میدانِ جنگ میں تھی

جبار مرزا

ستمبر 1965 کی پاک بھارت جنگ دراصل کفر اور اسلام کی جنگ تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مسلمان تھے اور بھارت کا وزیر اعظم لال بہادر شاستری ہندو تھا تو وہ کفر اور اسلام کی جنگ کہلائی۔ بلکہ دو سگے بھائی ایک دوسرے کے خلاف مورچوں میں اترے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک مسلمان اور دوسرا ہندو تھا۔ ہمارے علاقے کے قریب ایک بستی تھی' جسے راولپنڈی کا محلہ طہماسب آباد کہا جاتا ہے' بھارتی وزیر اعظم لال بہادر شاستری کے بڑے بھائی وہاں مقیم تھے۔ منیب جی ان کا نام تھا۔ مسلمان تھے محلے کی مسجد اکبری میں نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ مری کے سوراسی والے بابا لال شاہ کے وہ مرید تھے۔ باباجی کی روحانی کرامات پر منیب جی نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ منیب جی جب خطرے کا سائرن بجنے پر گھر کے قریب کھیتوں میں بنائے گئے مورچے میں اترا کرتے تھے تو اپنے چھوٹے بھائی شاستری کو خوب خرافات سنایا کرتے تھے۔ منیب جی کے پاس دو جیپیں تھیں جن میں چابیاں لگی رہتی تھیں۔ ہم محلے کے نوجوان جب چاہتے منیب جی کی جیپ نکال کر لے جاتے' دو چار چکر لگاتے اور پھر جیپ ان کے گھر کے سامنے کھڑی کر کے آ جایا کرتے۔ وہ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ بلا کے سخی تھے۔ میں اُن دنوں سی بی اے ایس سی ٹیکنیکل ہائی سکول چکلالہ میں پڑھتا تھا جو راولپنڈی کے سٹیشن ہیڈ کوارٹر کے زیر انتظام تھا۔ وہ میری نوجوانی سے ذرا پہلے کا دور تھا۔ اُن دنوں جب ہم چکلالہ ایئرپورٹ کے رَن وے سے گزرا کرتے تھے تو "رَن وے" پر کھڑا گن مین جو پرندوں کے ڈرانے دھمکانے کی ڈیوٹی پر ہوتا تھا' وہ ہمیں کہا کرتا کہ دوڑ کر گزر جاؤ' جہاز اترنے والا ہے اور کبھی کبھار سکول سے واپسی پر ہم رن وے پر کھڑے جہازوں کے پہیوں میں چھپن چھپائی کھیلنا شروع کر دیا کرتے کوئی کچھ بھی نہیں کہتا تھا' لیکن اب ٹکٹ لے کر بھی جائیں تو تلاشیاں لی جاتی ہیں۔ بسا اوقات کتوں سے بھی سونگھایا جاتا ہے۔ ماحول میں عجب کتاخانی پھیل گئی ہے۔ حبیب جالب نے کسی ایسے موقع پر ہی کہا تھا کہ

اچیاں کنداں والا گھر سی رولیندے ساں کُھل کے
ایسی وا وگائی آ ربا رہ گئی جندڑی رُل کے

بات 1965 کی جنگ کے حوالے سے منیب جی کی ہو رہی تھی۔ جب 10 جنوری 1966 کو جمہوریہ ازبکستان کے دارالحکومت تاشقند میں پاکستانی صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور بھارتی وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے معاہدہ تاشقند پر دستخط کیے تو اسی رات شاستری فوت ہو گیا۔ منیب جی قدرے رنجیدہ ہوئے۔ ظاہر ہے آخر بھائی تھا' دکھ تو ہوا ہو گا۔ مگر انہوں نے جو تبصرہ کیا تھا وہ بڑا دلچسپ تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ اپنے پاس ہونے کی خبر سن کر بیمار ہو جایا کرتا تھا اور کئی کئی روز تک گھر میں پڑا رہتا تھا۔ تاشقند جیسے بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کر کے وہ مرتا نہ تو کیا کرتا۔

معاہدہ تاشقند کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایوب خان نے میدان میں جیتی ہوئی جنگ مذاکرات کی میز پر ہار دی تھی۔ اگر یہ بات درست تھی تو یکم فروری 1966 کو بھارتی چیف آف سٹاف جنرل جے این چوہدری نے اعلان تاشقند کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ کیوں دیا تھا؟ بھارت کی مشرقی کمان کے جی او سی لیفٹیننٹ جنرل مانک شا نے دل برداشتہ ہو کر مشرقی پاکستان کی سرحد سے اپنی فوجیں کس لئے ہٹالی تھیں؟

15 فروری 1966 کو اعلان تاشقند کے خلاف بھارتی پارلیمنٹ کے سامنے بھارتی سول سوسائٹی نے زبردست مظاہرہ کیوں کیا تھا؟ تبصرہ کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جب ایوب خان 3 جنوری 1966 کو تاشقند پہنچے تھے ان کا وفد 16 افراد پر مشتمل تھا۔ سات روز تک مسلسل مذاکرات ہوتے رہے۔ شاستری مسئلہ کشمیر سے پہلوتہی کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تاشقند مذاکرات کو حالیہ جنگ ستمبر تک محدود رکھا جائے۔ جبکہ جنرل ایوب خان کا موقف تھا کہ مسئلہ کشمیر کو نظرانداز کر کے کسی سمجھوتے پر پہنچنے سے بہتر ہے کہ بغیر معاہدے کے ہمیں واپس چلا جانا چاہئے۔ سوویت یونین چونکہ ثالث کے فرائض

انجام دے رہا تھا' یہی وجہ تھی کہ روسی وزیراعظم کوسیجن نے صدر ایوب خان سے مسلسل کئی ملاقاتیں کیں۔ آخر کار دونوں ممالک اس بات پر متفق ہو گئے کہ مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق باہمی مذاکرات کی بنیاد پر حل کریں گے۔ بھٹو اس معاہدے پر ناخوش تھے۔ بات شاستری اور معاہدہ تاشقند کی ہو رہی تھی۔ لال بہادر شاستری 1964 میں پنڈت جواہر لعل نہرو کی وفات کے بعد بھارت کے وزیراعظم بنے تھے' انہوں نے اپنے اقتدار کے کچھ ہی ماہ بعد 1965 میں رن آف کچھ کا محاذ کھول دیا تھا۔ رن آف کچھ کا علاقہ پاکستانی علاقے سندھ اور کچھ نامی سابق ریاست کے درمیان ایک خشک جھیل کا غیر آباد علاقہ ہے۔ اس کے تقریباً ساڑھے تین ہزار مربع میل علاقے پر پاکستان کا دعویٰ تھا جب کہ بھارت کا کہنا تھا کہ 8400 مربع میل کا سارا علاقہ اس کی ملکیت ہے۔ یہ 250 میل لمبی پٹی ہے جو بحیرۂ عرب کی پاکستانی سرحد سے شروع ہو کر سندھ کے قدیم اور تاریخی قصبے نگر پارتک جاتی ہے۔ بھارت نے 1965 کے اوائل میں اس علاقے میں نئی سرحدی چوکیاں قائم کرنا شروع کر دی تھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھے بھارت نے پاکستان کی سرحدی چوکی کنجر کوٹ کے قریب سردار نامی چوکی قائم کر کے وہاں بارڈر سکیورٹی فورس کے دستوں کو متعین کر دیا تھا۔

پاکستان نے جب بھارت سے جارحانہ رویہ ترک کرنے کا مطالبہ کیا تو بھارت نے سنی اَن سنی کر دی اور علاقے میں اشتعال انگیز کارروائیاں اور بھی تیز کر دیں۔ لیکن پاکستان نے 8 اپریل 1965 کو اپنی چوکی کنجر کوٹ کو مضبوط کرنے کے لئے سردار پوسٹ کا گھیراؤ کیا تو بھارتی وہاں سے بھاگ گئے مگر کچھ ہی دنوں بعد اس پر دوبارہ آ بیٹھے اور اسے مزید مضبوط کرنے میں لگ گئے جس کے جواب میں پاکستان نے بھارتی چوکی بیار بیٹ پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں کئی بھارتی فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے' بہت سے بھارتیوں کو قیدی بنا لیا گیا' کچھ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اسی اثنا میں برطانوی وزیراعظم ہیرلڈ ولسن نے دونوں حکومتوں کے مابین مفاہمت کرانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ 30 جون 1965ء کو دونوں ممالک نے جنگ بندی کے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے اور معاملہ ایک بین الاقوامی ٹریبونل کے سپرد کر دیا گیا جس نے آگے چل کر بہت بعد 19 فروری 1968 کو فیصلہ دیتے ہوئے چھڈ بیٹ' کنجر کوٹ اور رن کچھ کے کئی علاقے پاکستان کو واپس دلائے۔ پاکستان اپنے 30 جون 1965 کے امن معاہدے کے بعد مزید کسی قسم کی کارروائی کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ فیلڈ مارشل ملکی عوام اور آنے والی نسلوں کے لئے کام کرنا چاہتے تھے۔ ان کا سارا دھیان ترقیاتی منصوبوں پر تھا۔ ملک میں ڈیم بن رہے تھے۔ زراعت میں قابل رشک حد تک کام جاری تھا۔ 1965 کی جنگ سے پہلے پاکستان کی اقتصادی حالت خاصی بہتر تھی۔ ملک کی مجموعی پیداوار 8 فیصد کی شرح سے ترقی کر رہی تھی۔ ماہرین اقتصادیات کا خیال تھا کہ اگر ترقی کی یہ شرح دس سال تک برقرار رہی تو وہ دن دور نہیں کہ جب پاکستان جاپان کی ہمسری کا دعویٰ کر دے گا۔ اُن دنوں پاکستان سیٹو اور سینٹو میں شامل تھا۔ امریکہ کا پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ بھی تھا۔ پاکستان کے فوجی اخراجات بھی کم تھے۔ آمدنی کا زیادہ حصہ زراعت اور صنعت پر خرچ ہو رہا تھا' جس کی وجہ سے ملک کا اقتصادی مستقبل روشن اور پرامید تھا مگر 1965 کی جنگ کے بعد امریکہ نے پاکستان کی فوجی امداد بالکل بند کر دی تھی اور اقتصادی امداد میں قابل ذکر حد تک کمی کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے پاکستان کو فوج میں توسیع اور ہتھیاروں کی خریداری پر کافی روپیہ خرچ کرنا پڑا یوں بہت سارے اقتصادی منصوبے پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔

1965 میں ہماری مسلح افواج پوری مہارت' شجاعت اور ایمانی قوت سے لڑیں اور جنگ کے اختتام پر پاکستان کے قبضے میں بھارت کے بہت زیادہ علاقے تھے۔

ان باتوں کو پچاس برس بیت گئے۔ 1965 کی دوسری نسل بھی جوان ہو چکی ہے مگر فیلڈ مارشل ایوب خان کے چھ ستمبر 1965 والے ریڈیو خطاب کے وہ الفاظ ابھی تک ہم نہیں بھولے جب انہوں نے کہا تھا: ''بھارتی حکمران شاید نہیں جانتے کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔'' ایسا ہی ہے پاکستانی قوم جن کے سینے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے منور ہیں' وہ ناقابل تسخیر ہے۔ مجھے تو راولپنڈی سی ایم ایچ میں دم توڑتا لیفٹیننٹ حبیب شہید نہیں بھولتا جو 1965 میں محاذ پر جانے سے ایک دن پہلے ہی اسی ہسپتال میں خون کا عطیہ دے کر گیا تھا اور جس نے شہادت کے وقت ڈاکٹر کیپٹن نصرت سے کہا تھا کہ پاکستانی قوم کو کوئی نہیں ہرا سکتا۔ مجھے تو پاکستان کی عظیم مغنیہ ملکہ ترنم نور جہاں کا وہ ایثار ابھی تک یاد ہے جب 6 ستمبر سے 23 ستمبر تک مسلسل سترہ دن وہ ریڈیو پاکستان سے گھر نہیں گئی تھیں اور وطن کے جاں نثاروں پر اپنی آواز نثار کرتی رہی تھیں۔ کالجوں' سکولوں اور یونیورسٹیوں کے وہ نوجوان کسے یاد نہیں ہوں گے جو 6 ستمبر کی دوپہر واہگہ جانے اور دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ مگر باٹا پور میں انہیں اپنی فوج نے یہ کہہ کر لوٹ جانے پر مجبور کر دیا کہ مکار دشمن کو لاہور تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ بی آر بی کا دوسرا کنارہ ان مورکھوں کی چتا بن جائے گا۔ تاریخ پر نظر رکھنے والوں نے پھر دیکھا کہ امرتسر کے وہ مہا سبھائی اور سیوک سنگھی غنڈے جو لاہور کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹنے نکلے اور فتح کا جشن منانے کا خیال لے کر آئے تھے' اپنی ہی بھاگتی ہوئی فوج کے نیچے آ کر کچلے گئے۔ سیالکوٹ میں دنیا کی دوسری بڑی ٹینکوں کی لڑائی لڑی گئی۔ وطن کی حرمت پر قربان ہوتے ہوئے وہ خاکی وردی والے خود خاک ہو کر شہادت سے سرفراز ہو گئے مگر سیالکوٹ پر آنچ نہ آنے دی۔ ہمیں تو ستمبر 1965 کے وہ دن بھی یاد ہیں جب ممتاز کہانی نویس ڈاکٹر یونس جاوید لاہور کی سڑکوں پر ''ایک پیسہ دو ٹینک'' کی چندہ مہم پر ''پیپا'' ہاتھ میں اٹھائے نکلا کرتے تھے' جس میں وطن کی مائیں بہنیں بیٹیاں ہزاروں کے زیورات پیسہ جان کر ڈال دیتی تھیں۔ وہ جذبے اب بھی زندہ ہیں۔ شکیل احمد جب ریڈیو پر

خبریں سناتے وقت کہا کرتے کہ "پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے دشمن کے ٹھکانوں پر ٹھیک نشانے لگائے۔" تو ہمارے گھر کے باہر کھڑے سیکڑوں لوگ جو جنگ کی خبریں سننے آیا کرتے تھے' بلند آواز میں نعرہ تکبیر لگایا کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا گمان بھی گزرا کرتا کہ یہ لوگ خبریں سننے کے بعد سیدھے محاذ پر چلے جائیں گے۔ واقعی ایسی قوم کو کوئی نہیں ہرا سکتا۔ پھر جس قوم میں

آج بھی موجود ہے' خدانخواستہ نریندر مودی نے شاستری بننے کی کوشش کی تو اگر ڈاکٹر یونس جاوید باہر نہ نکل سکے تو ان کا پوتا اُن کی جگہ وطن کے جاں نثاروں کے شانہ بشانہ کھڑا دکھائی دے گا۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ سیاسی قیادت نہ پچاس برس پہلے ہمیں میسر تھی نہ آج دکھائی دے رہی ہے۔ آج فوج اگر ضرب عضب میں مصروف ہے تو سیاسی قیادت بائیکاٹ اور احتجاجوں

شائلہ جیسی مائیں ہوں اسے فتح کرنا تو ناممکنات میں سے ہے۔

شائلہ کرنل عباس بٹ کی اہلیہ ہیں جو 25مارچ 2010 کو اورکزئی ایجنسی میں دہشت گردوں سے دست بدست مقابلے میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی اہلیہ نے اپنے تین چھوٹے چھوٹے معصوم بیٹوں کے بارے میں لکھا تھا کہ دہشت گردوں نے ایک کرنل شہید کیا تھا' میں اپنے تینوں بیٹوں کو فوج میں بھجواؤں گی۔ کوئی بتلاؤ ایسی قوم کو ہرایا جاسکتا ہے؟ اطمینان کی بات ہے کہ قوم

ہڑتالوں میں مصروف ہے۔ فوج سیلاب زدگان کی رہنمائی کے لئے پانی میں اتری ہوئی ہے تو سیاستدان آپس میں روٹھنے اور منانے میں لگے ہوئے ہیں۔ فوج اگر اقتصادی راہداری کے راستے کے کانٹے چننے میں مصروف ہے تو سیاسی قیادت دھرنا دھرنا کھیل رہی ہے جس طرح افواج پاکستان کا شمار دنیا کی بہترین فوج میں ہوتا ہے اسی طرح پاکستانی قوم جیسی قومیں بار بار پیدا نہیں ہوتیں۔ قوم آج بھی ہے اور قیادت کی منتظر ہے۔

NIT IEF
ISLAMIC EQUITY FUND

Enjoy the Best of Both Worlds

NIT Islamic Equity Fund

- ✔ Potential to Earn Halal, Riba-free Returns
- ✔ Shariah Compliant Investments
- ✔ Benefit of Tax Credit (as per applicable tax laws)

Consult our Investment Facilitators by calling us at **111-648-648** or by visiting **www.nit.com.pk**

NIT
NATIONAL INVESTMENT TRUST LIMITED

AMC Rating 'AM2' by PACRA

Risk Disclaimer: All investments in mutual fund are subject to market risks. The investors are advised in their own interest to carefully read the contents of Offering Document in particular the Investment Policies mentioned in clause 2, Risk Factors mentioned in clause 2.4 and Warnings in clause 9 before making any investment decision.

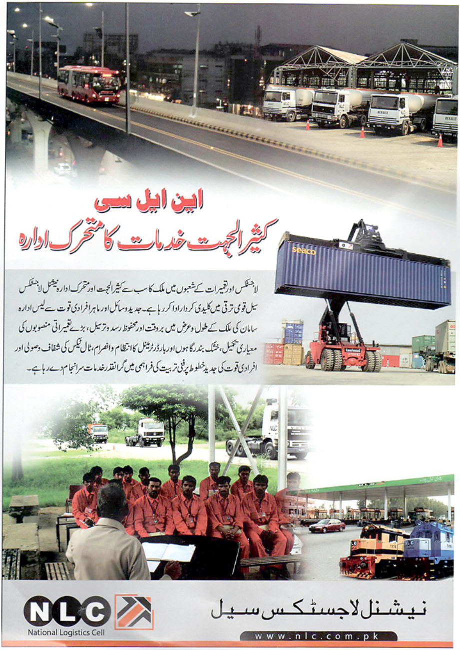
این ایل سی
کثیر الجہت خدمات کا متحرک ادارہ
لاجسٹکس اور تعمیرات کے شعبوں میں ملک کا سب سے کثیر الجہت اور متحرک ادارہ نیشنل لاجسٹکس سیل قومی ترقی میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ جدید وسائل اور ماہر افرادی قوت سے لیس ادارہ سامان کی ملک کے طول و عرض میں بروقت اور محفوظ رسد و ترسیل، بڑے تعمیراتی منصوبوں کی معیاری تکمیل، خشک بندرگاہوں اور بارڈر ٹرمینل کا انتظام و انصرام، ٹال ٹیکس کی شفاف وصولی اور افرادی قوت کی جدید خطوط پر فنی تربیت کی فراہمی میں گرانقدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔
seaco
NLC
National Logistics Cell
نیشنل لاجسٹکس سیل
www.nlc.com.pk

شہیدوں کا لہو وہ آسماں ہے جس کے سائے میں سنور جاتی ہیں تاریخیں، نکھر جاتی ہیں تہذیبیں

محمد امجد چوہدری

تحریک پاکستان کی شمع شہیدوں کے لہو سے روشن ہوئی اور اس نے آگے چل کر وہ چراغ جلائے جن کی روشنی میں مسلمانان برصغیر نے منزل پاکستان حاصل کرلی۔ پھر ہجرت کا سفر بھی لہو رنگ رہا۔ آزادی کی قیمت مسلمانوں نے اپنا خون دے کر چکائی تھی۔ بہت سے گمنام، آزادی کے حصول میں جانیں گنوا بیٹھے مگر اللہ کے وعدے کے مطابق وہ زندہ ہیں، شاد ہیں۔ اسی طرح آزادی کی شمع آج بھی روشن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قیام پاکستان کے بعد سے ہمارے وجود کے خلاف جو سازشیں کی گئیں، ان کی انتہاء کا کوئی عالم نہیں' لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ہماری قوم کی جہد مسلسل اور افواج پاکستان کے افسروں اور جوانوں کی قربانیاں ان کے تمام عزائم کی راہ میں حائل ہوگئیں۔ کئی روشن چہرے اس خاک وطن کی روشنی کے لیے خاک ہوگئے۔ ان کی جدائی کا درد آج بھی ہم سب محسوس کرتے ہیں، ان کے حسین چہرے آج بھی ہمارے قومی چہرے کا حسن ہیں۔ انہی کی مثالوں، یادوں، تصویروں اور نشانیوں کی بدولت ہمارا قومی سفر جاری ہے۔ جب مشکل گھڑی آن پڑتی ہے، ان کے چہرے ہی ہم میں جرأت پیدا کرتے ہیں، نامساعد حالات میں ان کی تصویریں ہمیں حوصلہ بخشتی ہیں، ناامیدی میں وہ حرارت پیدا کرتے ہیں اور جب وطن کے لیے قربانی دینے کا وقت آ پہنچتا ہے تو ان کی نشانیاں اور مثالیں ہی ہمیں میدان کارزار میں اتار کر وہ جوش اور جذبہ عطا کرتی ہیں کہ بڑے سے بڑے دشمنوں کے دلوں پر ہیبت طاری ہوجاتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے انہی کے لیے کہا تھا:

شہیدوں کا لہو وہ درد ہے جس کی چمک دل میں
کئی چہرے بناتی، کئی یادیں اگاتی ہے
انہی چہروں، انہی یادوں سے بنتی ہیں وہ تصویریں
کہ جن سے قوم اپنا قصر مستقبل سجاتی ہے

یہ بھی حقیقت ہے کہ انہی شہدا، غازیوں کی بدولت ہم آج دنیا میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ قوموں کو ان کا خون اور قربانی ہی زندہ رکھتی ہے۔ تحریک آزادی، حصول پاکستان، قیام پاکستان اور استحکام پاکستان کے لیے کتنی قربانیاں دی گئیں' ان کا شمار نہیں۔ قوم ان کی قربانیوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ انہیں اعزازات بھی دیئے گئے۔ تاہم شہداء کے لیے شہادت سے بڑا کوئی اعزاز نہیں۔ ایسے ایسے گمنام ہیرو بھی ہیں، جو وطن کی حفاظت میں مٹ گئے مگر شہادت پا کر ابدی حیات پا گئے۔ ان کے کارنامے گو کہ ہمارے سامنے نہیں، تاہم اس وقت ہم آزاد وطن میں آزادی کی جو سانسیں لے رہے ہیں، انہی کی مرہون منت ہیں۔ اس وقت پاکستان کے وجود کو جو خطرات لاحق ہیں' ان میں دہشت گردی نمایاں ہے۔ یہ اس کینسر کی مانند ہے جو جسم کے اندر ہی پلتا ہے اور اندر ہی اندر وجود کو ختم کردیتا ہے۔ دہشت گردوں نے بھی ہمارے وجود کو کھوکھلا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ غیرملکی عناصر بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح گزشتہ ایک دہائی سے وطن عزیز کا کونہ کونہ چھلنی ہوگیا۔ اس صورتحال میں افواج پاکستان بیرونی محاذوں کے علاوہ اس اندرونی عفریت کے خلاف بھی ڈٹ گئیں۔ اس دوران انہوں نے جو لازوال قربانیاں پیش کیں، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس طرح قربانیوں کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور آزادی کی شمع اسی سے روشن ہے۔ شہدائے وطن کا اتنا لہو بہا ہے کہ آزادی کی شمع انشاء اللہ روشن رہے گی۔ قوم کا ہر فرد شہداء کی قربانیوں کا معترف ہے اور انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ ذیل میں ان چند شہداء کا ذکر ہے جنہوں نے دفاع وطن کے دوران جرأت وبہادری کے کارنامے انجام دیئے اور پاکستان کے سب سے بڑے اعزاز ''نشان حیدر'' کے حقدار قرار پائے۔ شہداء کے چہرے بھی تو ایک ہوتے ہیں، ان کے مقصد اور مشن کی طرح۔ اس لیے انہی چہروں میں ان تمام شہداء کے چہروں کا عکس دیکھا جاسکتا ہے جنہوں نے ہمارے مستقبل اور آزادی کی خاطر اپنا آج ہمارے کل کے لیے قربان کردیا۔

کیپٹن محمد سرور شہید، نشان حیدر

کیپٹن محمد سرور 1910ء میں ضلع راولپنڈی کے موضع سنگھوڑی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1944ء میں پنجاب رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ 1948ء میں کشمیر آپریشن کے دوران ایک کمپنی کی کمان کررہے تھے۔ 27 جولائی کو انہوں نے اوڑی سیکٹر میں دشمن کے انتہائی مضبوط مورچوں کی طرف پیش قدمی کی۔ ابھی ان کی کمپنی دشمن سے پچاس گز کے فاصلے پر تھی کہ وہ مشین گن، دستی بموں اور مارٹروں کی زبردست فائرنگ کی زد میں آگئے۔ اس موقع پر غیرمعمولی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیپٹن محمد سرور دشمن کے بازو سے گزر کر اپنی پلاٹون کو دشمن کے بنکروں سے بیس گز سے بھی کم فاصلے پر لے گئے۔ یہاں ان کے سامنے خاردار تاریں تھیں تاہم انہوں نے دستی بموں سے دشمن کی مشین گنوں کو خاموش کردیا۔ مسلسل فائرنگ کی زد میں آکر ان کا دایاں بازو زخمی ہوگیا

سلام شہدائے پاکستان

تاہم انہوں نے ایک شہید ساتھی کی گن اٹھائی اور دلیری کے ساتھ دشمن پر گولیاں برساتے رہے۔ وہ خاردار تاروں کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے کاٹ رہے تھے کہ اس دوران خودکار ہتھیاروں سے نکلی ہوئی گولیوں کی بوچھاڑ انہیں شہادت سے ہمکنار کر گئی۔

میجر طفیل محمد شہید، نشان حیدر

میجر طفیل محمد 1914ء میں ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1943ء میں پنجاب رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ وہ 1958ء میں ایسٹ پاکستان رائفلز کی ایک کمپنی کی قیادت کر رہے تھے کہ انہیں لکشمی پور (مشرقی پاکستان) میں موجود دشمن کی فوج سے علاقہ خالی کرانے کا حکم ملا۔ انہوں نے کمال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بہادر ساتھیوں کے ہمراہ دشمن پر دھاوا بول دیا۔ دشمن کی جوابی فائرنگ کی زد میں آ کر وہ شدید زخمی ہوگئے تاہم انہوں نے اپنا مشن جاری رکھا اور اپنے ساتھیوں کی بے جگری سے قیادت کرتے رہے۔ اس دوران دشمن کی مشین گن سے ان کے سیکنڈ ان کمانڈ شہید ہوئے تو انہوں نے دستی بم سے مشین گن کو تباہ کر دیا۔ لڑائی دست بدست شکل اختیار کر گئی۔ اسی دوران دشمن چوکی کا کمانڈر ایک جوان پر حملہ کے لئے دبے پاؤں آگے بڑھا تو میجر طفیل نے اسے اپنی ٹانگ سے الجھا کر اپنے آہنی شکنجے میں لے لیا۔ وہ دشمن سے علاقہ خالی کرانے تک ڈٹے رہے اور شدید زخمی ہونے کے باوجود اپنے مشن کو بخوبی انجام تک پہنچایا۔

میجر راجہ عزیز بھٹی شہید، نشان حیدر

میجر راجہ عزیز بھٹی کا تعلق ضلع گجرات سے تھا۔ وہ 1928ء میں ہانگ کانگ میں پیدا ہوئے۔ 1950ء میں انہوں نے پنجاب رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ وہ تربیت کی تکمیل پر "شمشیر" اور "نارمن گولڈ میڈل" کے اہل قرار پائے۔ وہ 1965ء میں لاہور میں برکی کے علاقے میں ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ میجر عزیز بھٹی کی کمپنی کی دو پلاٹونیں بی آر بی نہر کے اس طرف جبکہ باقی دوسری طرف متعین تھیں۔ انہوں نے نہر کے اگلے کنارے پر متعین کمپنی کے ساتھ رہتے ہوئے تزویراتی اہمیت کی حامل بی آر بی نہر کا دشمن کے توپ خانے اور ٹینکوں کی بھرپور گولہ باری کے باوجود بھرپور دفاع کیا۔ 9 اور 10 ستمبر کی درمیانی شب دشمن نے اس سیکٹر میں ایک پوری بٹالین سے حملہ کیا۔ میجر عزیز بھٹی کو نہر کے اس طرف آنے کا حکم ملا مگر جب وہ راستہ بناتے ہوئے وہاں پہنچے تو دشمن وہاں قبضہ کر چکا تھا۔ اس صورتحال میں انہوں نے کمال بہادری اور جارحانہ کارروائی کی قیادت کرتے ہوئے دشمن کو نکال باہر کیا۔ انہوں نے اپنی کمپنی کو از سرِ نو منظم کر کے دشمن کی پیش قدمی کو نہ صرف روکا بلکہ اس پر تابڑ توڑ حملے بھی جاری رکھے۔ اسی دوران دشمن کے ٹینک کا ایک گولہ انہیں آ لگا جس سے وہ موقع پر ہی شہید ہوگئے۔

پائلٹ آفیسر راشد منہاس شہید، نشان حیدر

پائلٹ آفیسر راشد منہاس 1951ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ 1971ء میں انہوں نے پاک فضائیہ میں کمیشن حاصل کیا۔ اگست 1971ء میں اپنی تربیت کے دوران وہ معمول کی پرواز کے لئے جہاز کو رن وے پر لے جا رہے تھے کہ ان کا انسٹرکٹر ان کے جہاز میں زبردستی گھس آیا اور جہاز کا کنٹرول سنبھال کر اسے فضا میں بلند کر دیا۔ جونہی راشد منہاس کو احساس ہوا کہ انسٹرکٹر کے ارادے ٹھیک نہیں اور وہ جہاز کو دشمن ملک لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے تو انہوں نے جہاز کے کنٹرول کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ تاہم انسٹرکٹر کے تجربے کے سامنے ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اس دوران انہوں نے وطن کی آن کی خاطر ہر چیز داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا اور وہ جہاز پر اس طرح جھپٹے کہ انسٹرکٹر بے بس ہو گیا اور طیارہ سرحد سے 32 میل ادھر گر کر تباہ ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے پاک فضائیہ اور سب سے بڑھ کر وطن کی آن اور وقار کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بچا لیا۔

میجر محمد اکرم شہید، نشان حیدر

میجر محمد اکرم 1938ء میں ڈنگہ، ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1963ء میں انہوں نے فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ 1971ء کی جنگ میں وہ ضلع ہلی (مشرقی پاکستان) میں ایک کمپنی کی قیادت کر رہے تھے۔ دشمن کی فضائیہ، توپخانے اور بکتر بند دستوں کی یلغار کا انہوں نے منہ توڑ جواب دیا اور ان کی پیش قدمی کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن گئے۔ دشمن اس ہزیمت کے پیش نظر ٹینکوں سے لیس بریگیڈ کی مدد سے حملہ آور ہوا مگر اس کے باوجود میجر محمد اکرم اور ان کے بہادر ساتھی ان کی پیش قدمی کی راہ میں حائل رہے۔ اسی دوران ایک حملے میں وہ شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

میجر شبیر شریف شہید، نشان حیدر

میجر شبیر شریف 1943ء کو کنجاہ، ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1964ء میں انہوں نے فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ 1971ء میں وہ سلیمانکی سیکٹر میں ایک کمپنی کی قیادت کر رہے تھے۔ انہیں ایک اونچے بند پر قبضہ کرنے کی مہم سونپی گئی جہاں سے دو دیہات زد میں آسکتے تھے۔ دشمن نے یہاں بھاری تعداد میں نفری متعین کر رکھی تھی جس کی مدد کے لئے ایک ٹینک سکواڈرن بھی موجود تھا۔ میجر شبیر شریف کو اس مقام تک پہنچنے کے لئے پہلے بارودی سرنگوں کے علاقے کو عبور کرنا اور پھر 30 فٹ چوڑی اور 10 فٹ گہری نہر کو تیر کر عبور کرنا تھا۔ دشمن کے توپخانے کی شدید فائرنگ کے باوجود انہوں نے یہ تمام مراحل طے کئے اور سامنے سے دشمن پر حملہ آور ہوگئے۔ انہوں نے اپنے بہادر ساتھیوں کے ہمراہ اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس معرکے میں دشمن کے 42 سپاہی مارے گئے اور 28 قیدی بنا لئے گئے جبکہ چار ٹینک راکھ کا ڈھیر بنے۔ اگلے تین دن دشمن تابڑ توڑ حملے کرتا رہا، تاہم وہ سب پسپا کر دیئے گئے۔ ایک رات میجر شبیر شریف اچانک مورچے سے باہر آئے اور دشمن ایک کمپنی کمانڈر کو ہلاک کر کے اس سے اہم دستاویزات قبضے میں لے لیں۔ اگلے دن دوپہر کو دشمن نے پھر بھرپور حملہ کر دیا۔ میجر شبیر شریف اور ان کے بہادر ساتھی اس کے

خلاف بھرپور انداز سے ڈٹ گئے۔ وہ اپنے توپچی کی اینٹی ٹینک گن سے دشمن ٹینکوں پر گولہ باری کررہے تھے کہ دشمن ٹینک کا ایک گولہ لگنے سے وہ شہید ہوگئے۔

سوار محمد حسین شہید، نشانِ حیدر

سوار محمد حسین شہید 1949ء میں ڈھوک حسین جنجوعہ، گوجر خان ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ 1966ء میں انہوں نے پاک فوج میں شمولیت حاصل کی۔ 1971ء میں وہ 20 لانسرز کے ساتھ ظفروال اور شکر گڑھ کے محاذ پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے یونٹ کے ہر معرکے میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ ٹینکوں کی گولہ باری کے باوجود اپنی یونٹ کے ایک ایک مورچے میں جا کر انہیں گولہ بارود پہنچاتے رہے۔ اس کے علاوہ لڑاکا گشتی دستوں کے ساتھ پرخطر مہمات میں بھی پیش پیش رہے۔ ایک روز انہوں نے دشمن کو مورچے کھودتے دیکھا تو فوری طور پر سیکنڈ ان کمانڈ کو اطلاع دی۔ پھر وہ اپنی ایک ایک ٹینک شکن توپوں کے پاس پہنچے اور دشمن ٹینکوں پر فائرنگ کرواتے رہے جس کے نتیجے میں دشمن کے 16 ٹینک تباہ ہوگئے۔ 10 دسمبر کو وہ اپنے ایک ''ریکائل لیس رائفل بردار'' کو دشمن کے ٹینک دکھا رہے تھے کہ دشمن ٹینک سے نکلی گولیوں کی بوچھاڑ نے ان کا سینہ چھلنی کردیا اور وہ موقع پر ہی جام شہادت نوش کرگئے۔

لانس نائیک محمد محفوظ شہید، نشانِ حیدر

لانس نائیک محمد محفوظ شہید 1944 میں محفوظ آباد، ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ 1962ء میں انہوں نے پنجاب رجمنٹ میں شمولیت اختیار کی۔ جنگ 71 کے دوران وہ واہگہ اٹاری سیکٹر پر متعین ایک کمپنی کا حصہ تھے جسے پل کنجری پر قبضہ کرنے کا حکم ملا۔ لانس نائیک محمد محفوظ کی پلاٹون ہراول دستہ تھی لہٰذا اسے دشمن کے خودکار ہتھیاروں کی فائرنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دوران دشمن نے توپوں کے دہانے بھی کھول دیئے۔ لانس نائیک محفوظ بےجگری سے لڑ رہے تھے کہ ان کی مشین گن دشمن کے گولے کی ضرب سے تباہ ہوگئی۔ وہ اپنے ایک شہید ساتھی کی ہلکی مشین گن ہاتھوں میں تھام کر دشمن کے اسی مورچے کی طرف بڑھے، جہاں سے آنے والے فائر نے ان کی کمپنی کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ اس دوران ان کی ٹانگیں بھی شدید زخمی ہوچکی تھیں، مگر وہ مسلسل فائرنگ کرتے رہے اور خود کو گھسیٹتے ہوئے دشمن کے بنکر پر جا گھسے۔ جوابی فائرنگ کے باوجود انہوں نے دشمن سپاہی کی گردن دبوچ لی جس پر اس کے ساتھیوں نے سنگین سے ان پر حملہ کردیا اور وہ شہید ہوگئے۔ لانس نائیک محمد محفوظ کی اس بہادری کا اعتراف دشمن فوج نے بھی کیا۔

کیپٹن کرنل شیر خان شہید، نشانِ حیدر

کیپٹن کرنل شیر خان، 1970ء میں نواں کلی، ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1994 میں سندھ رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ بعد میں انہیں نادرن لائیٹ انفنٹری میں تعینات کردیا گیا۔ 1999ء میں معرکہ کارگل کے دوران، لائن آف کنٹرول کے ساتھ گلتری اور مشکوہ سیکٹر میں انہوں نے اگلی دفاعی لائنوں پر عسکری قائد کی حیثیت سے بہادری اور جراَت کی نئی داستانیں رقم کیں۔ انہوں نے گلتری میں 15 سے 17 ہزار فٹ بلند اور برف پوش پہاڑوں پر پانچ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ 7 اور 8 جون کی درمیانی رات دشمن نے ان کی پوسٹ کے پیچھے نفوذ کرنے کی کوشش کی جسے بھانپتے ہوئے انہوں نے موثر ناکہ بندی کی اور اس کو بھاری نقصان پہنچایا۔ انہوں نے کئی چھاپہ مار کارروائیوں کی قیادت کرتے ہوئے دشمن کے کئی فوجیوں کو جہنم واصل کیا اور دشمن فوج پر ہیبت طاری کردی۔ 5 جولائی کو دشمن نے دو بٹالین کی نفری اور توپخانے سے کیپٹن کرنل شیر خان کی پوسٹ پر کئی اطراف سے حملہ کر کے کچھ حصہ قبضے میں لے لیا۔ تمام تر بےسروسامانی اور قلیل سپاہ کے باوجود وہ دشمن پر بےخوفی سے ٹوٹ پڑے اور کھوئے ہوئے علاقے پر دوبارہ قبضہ جما لیا۔ اس حملے کے دوران مشین گن کے فائر سے وہ شدید زخمی ہوئے اور بعدازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جام شہادت نوش کرگئے۔

حوالدار لالک جان شہید' نشانِ حیدر

حوالدار لالک جان 1967 میں وادی یاسین، گلگت بلتستان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1984ء میں پاک فوج کی نادرن لائیٹ انفنٹری میں شمولیت اختیار کی۔ وہ معرکہ کارگل کے دوران بےباک اور بہادر فرزند کی مانند ابھر کر سامنے آئے۔ مئی 1999ء میں جب انہیں معلوم ہوا کہ دشمن ایک بڑے زمینی حملے کی تیاری کررہا ہے تو انہوں نے اگلے مورچوں میں جانے پر اصرار کیا۔ انہوں نے دشوار گزار علاقوں میں بڑی بہادری سے دشمن کے بہت سے حملوں کو ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 7 جولائی کو دشمن نے ان کی پوسٹ پر توپخانے سے شدید فائر شروع کردیا۔ اسی دوران وہ گولی لگنے سے شدید زخمی بھی ہوئے تاہم دشمن کی پسپائی تک اپنی پوزیشن پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے دشمن کے حملے کو ناکام بنا دیا لیکن اس دوران زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہوگئے۔

نائیک سیف علی جنجوعہ شہید، ہلالِ کشمیر

نائیک سیف علی جنجوعہ 1922ء میں تحصیل مینڈھر حال تحصیل نکیال میں پیدا ہوئے۔ 1940 میں وہ فوج سے وابستہ ہوئے۔ 1948 میں وہ ضلع پونچھ میں پیر کلیوا کے مقام آزاد کشمیر رجمنٹ کی ایک پلاٹون کی قیادت کررہے تھے کہ دشمن کے ایک بریگیڈ نے حملہ کردیا۔ ان کی پلاٹون نے اس دوران ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور اس حملے کو ناکام بنا دیا۔ ان کی پوسٹ پر دشمن نے ہلکے ٹینکوں، توپخانے حتیٰ کہ ہوائی جہازوں سے حملہ کیا مگر تمام بےاثر رہے۔ دشمن نے پیر کلیوا کو دیگر دفاعی پوسٹوں سے علیحدہ کر کے ان کی پوسٹ پر ہر سمت سے دباؤ بڑھا دیا۔ مگر نائیک سیف علی بہادری سے ڈٹے رہے۔ اسی دوران انہوں نے اپنی مشین گن سے دشمن کا ایک ہوائی جہاز بھی مار گرایا۔ اس دوران وہ توپ کا ایک گولہ لگنے سے شہید ہوگئے تاہم اس سے قبل انہوں نے دشمن کے کئی حملوں کو پسپا کردیا تھا۔ ان کی اس بہادری پر انہیں حکومت آزاد کشمیر نے ہلالِ کشمیر عطا کیا جو نشانِ حیدر کے مساوی تسلیم کیا گیا ہے۔

آرمی الیون
بمقابلہ
قومی کرکٹ ٹیم

Haier
MOBILE
Winner
PAKISTAN
XI
PKR 100,000/-

Haier

Haier
MOBILE
XI

جگمگ بولے

QUALITY SUFI GUARANTEED

صُوفی سوپ

سپیشل کوالٹی

ہر پاؤڈر "سپیشل کوالٹی" کی طاقت سے خائف!
کیونکہ صوفی سوپ، بنا ہے قدرتی اجزا
سے اور نکالے وہ اڑیل داغ بھی،
جو کسی پاؤڈر کے بس کا روگ نہیں!

کپڑے دھونے کیلئے بہترین صابن

کیورین
شفاف اور چمکتی آنکھوں کیلئے
کیورین آنکھوں کی حفاظت اور علاج کرے۔ روزمرہ زندگی میں
• ڈرائیونگ
• آنکھ کے میک اَپ
• کمپیوٹر کے استعمال
• ماحول میں دھواں
• گرد و غبار
• آلودگی
• سوئمنگ
• ٹیلی ویژن دیکھنے کے باعث آنکھوں میں پیدا ہونے والی سُرخی اور جلن سے آرام پہنچائے
ہدایات: i) تمام دوائیں بچوں کی پہنچ سے دُور رکھیں۔ ii) طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ iii) خوراک لیبل پر دی گئی ہدایات کے مطابق استعمال کریں۔
A product of
THE SCHAZOO PHARMACEUTICAL LABORATORIES (PVT.) LTD.
Head Office: 71-B C/2 Gulberg III, Lahore - Pakistan. Tel: +92 42 35760882-4. Fax: +92 42-35760924
e-mail:bizdev@schazoo-spl.com. URL: www.schazoo-spl.com
An environment friendly company manufacturing health care products since 1951
Schazoo SPL

گیت بنے ہتھیار

تحریر و تحقیق: ابصار احمد

5اور6 ستمبر کی درمیانی شب جب ارضِ پاک کے باسی سکون کی نیند سو رہے تھے صبح صادق سے کچھ دیر قبل اچانک پاک سرزمین پر دھماکوں کی آوازیں گونجنے لگتی ہیں، فضائیں بارود سے اَٹ جاتی ہیں، سمجھ نہیں آتا تھا کہ اچانک یہ کیا ہوا ہے؟ مگر سرحدِ پاک کے محافظ سمجھ گئے کہ اٹھارہ برس سے نفرت زدہ دشمن آج بین الاقوامی سرحد عبور کر چکا ہے۔

علی الصبح لاہور کے کنارے بہتی بمباں والی۔ راوی بیدیاں۔ دیپال پور لنک کینال پر دشمن کا جمِ غفیر تابڑ توڑ حملے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ صرف بی آر بی عبور کر کے پاکستان پر اپنے ناپاک قدم رکھ سکے مگر پاک فوج کے جوانوں نے لاہور جمخانہ میں مشروب نوش کرنے کی خواہش رکھنے والوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ جیسے ہی ریڈیو پاکستان لاہور سے حملے کی خبر نشر ہوتی ہے اس کے فوراً بعد عنایت حسین بھٹی کی آواز میں فلم چنگیز خان کا ترانہ ''اے مردِ مجاہد جاگ ذرا اب وقتِ شہادت ہے آیا'' ہر پاکستانی کو جذبہ جہاد پر ابھارتے ہوئے کہتا ہے کہ

''چلو واہگہ کی سرحد پر وطن پر وقت آیا ہے
چلو واہگہ کی سرحد پر چلو واہگہ کی سرحد پر''

اس کے بعد تمام ریڈیو اسٹیشنز پر قومی نغمات گونجنے لگتے ہیں۔ پھر ارضِ وطن کے شعراء، مطربان اور مغنیوں کا رُخ ریڈیو پاکستان کی طرف ہوتا ہے تاکہ وہ اس ملی فریضے میں پاک فوج کے ہمراہ اپنا اپنا حصہ ڈال کر قرونِ اولیٰ میں مجاہدین کے لئے رجز پڑھنے والی فوج میں اپنا نام لکھوا سکیں، یہاں سے ہماری قومی حربیہ موسیقی کا ایک روشن باب شروع ہوتا ہے جو ہمارے سبز گیتوں کی تاریخ میں انتہائی نمایاں ہے۔

صبح صدرِ مملکت جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کی تاریخی تقریر نشر ہوتی ہے جس کے فوراً بعد منور سلطانہ، دھنی رام اور قادر فریدی کی آواز میں نغمہ نشر ہوتا ہے ''آواز دے رہا ہے زمانہ بڑھے چلو'' یہ نغمہ 8 سال پہلے کسی فلم کے لئے بنا تھا مگر آج اس کے الفاظ اپنی ایک الگ اہمیت بتا رہے تھے۔

ریڈیو پاکستان میں جتنے قومی نغمات تھے سب نشر ہونے لگے تو آنجہانی نوئل ڈائس المعروف سلیم رضا سب سے پہلے ریڈیو سٹیشن پہنچے اور بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کرنے کا اعلان کیا۔ جنگِ ستمبر میں سب سے زیادہ نغمات انہوں نے ہی ریکارڈ کروائے جن کی تعداد 22 تھی۔ 17 روزہ جنگ کے دوران ان کے کچھ نغمات یہ تھے جو انہوں نے پورے جوش و جذبات سے گائے:

اے ہوا کے راہیو! بادلوں کے ساتھیو! (شاعر: محمود شام)
میرے لاہور شہر دیاں خیراں، رنگ لا یا راوی دیاں لہراں (شاعر: استاد دامن)
اے وطن میرے وطن پیارے وطن (شاعر: قتیل شفائی)
جگ جگ جی نگری داتا کی (شاعر: قیوم نظر)
اٹھو اٹھو مجاہدو! ہاں خدا کا نام لو (شاعر: قیوم نظر)
توحید کے متوالو! باطل کو مٹا دیں گے (شاعر: حبیب جالب)
جنگ کے میداں ترے صحنِ چمن سے کم نہیں (شاعر: ظہیر کاشمیری)
طارق اک جرنیل ہمارا، فتح کیا اسپین کو جس نے (شاعر: قیوم نظر)

ان کے علاوہ شہرِ استقلال سیالکوٹ کو شاندار خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انہوں نے دو نغمات ساکنانِ سیالکوٹ کی نذر کئے جو یہ تھے۔

زندہ رہے گا، زندہ رہے، سیالکوٹ تو زندہ رہے گا (شاعر: ناصر کاظمی)
اے ارضِ سیالکوٹ تم کو مرا اسلام (شاعرہ: کشور ناہید)

جنگِ ستمبر کے عظیم مجاہد میجر عزیز بھٹی شہید کو ناصر کاظمی کا تحریر کردہ خراجِ عقیدت ''تو ہے عزیزِ ملت نشانِ حیدر'' گانے کا اعزاز بھی سلیم رضا ہی کے دامن

میں ہے۔

ریڈیو پاکستان لاہور پر پہلا ترانہ 6 ستمبر ہی کو تیار ہوا جو دراصل صدرِ پاکستان کی تقریر کے الفاظ ''ہندوستانی حکمران ابھی نہیں جانتے کہ انہوں نے کس قسم کو للکارا ہے'' سے متاثر ہو کر حمایت علی شاعر نے لکھا تھا، مسعود رانا اور شوکت علی نے پیش کیا جو شام ساڑھے پانچ بجے فوجی بھائیوں کے پروگرام میں نشر ہوا۔ ترانہ کے بول کچھ اس طرح تھے ''اے دشمنِ دیں تو نے کس قوم کو للکارا...... لے ہم بھی ہیں صف آراء''۔ اس کے علاوہ انہی دونوں گلوکاروں کا مشہور ترانہ جو 2 دن قبل ہی ریلیز ہونے والی فلم ''مجاہد'' کا حصہ تھا، جنگِ ستمبر کا مشہور ترانہ ثابت ہوا۔ حمایت علی شاعر کی شاعری اور خلیل احمد کی موسیقی سے سجا ''ساتھیو! مجاہدو! جاگ اٹھا ہے سارا وطن'' آج بھی سامعین اور فوجی بھائیوں کے جذبات کو گرما دیتا ہے۔ مسعود رانا اور شوکت علی نے 13 ستمبر کو حبیب جالب کا تحریر کردہ نغمہ ''کردے گی قوم زندہ ماضی کی داستانیں'' بھی ریکارڈ کروایا جو بعد میں فلم ''وطن کا سپاہی'' کا حصہ بنا۔

ملکہ ترنم نور جہاں کا ذکر نہ ہو تو ہماری جنگی اور سبز گیتوں کی تاریخ ادھوری لگتی ہے کیونکہ وہ اس وقت فلم انڈسٹری کی سب سے مہنگی گلوکارہ تھیں جو ایک گیت کی تسجیل کے لئے 4 ہزار روپے لیا کرتی تھیں مگر انہوں نے وطنِ پاک کی محبت میں 10 نغمات بلا معاوضہ ریکارڈ کروائے اور ریڈیو سٹیشن لاہور ہی کو اپنا ٹھکانا بنا لیا' نیز تمام نغمات کی موسیقی انہوں نے خود ہی ترتیب دی سوائے ''اے وطن کے سجیلے جوانو!'' کی، جس کے موسیقار میاں شہریار تھے۔ اور 12 ستمبر کو نشر ہونے سے پہلے یہ رن کچھ کی جنگ کے دوران بنا تھا تاہم وہ اس وقت تک نشر نہیں ہو سکا تھا۔ 17 روزہ جنگ میں میڈم کے جنگی ترانوں کی تفصیل یوں ہے:

میریا ڈھول سپاہیا تینوں رب دیاں رکھاں	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	8 ستمبر
ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	10 ستمبر
یہ ہواؤں کے مسافر یہ سمندروں کے راہی	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	11 ستمبر
اے وطن کے سجیلے جوانو	جمیل الدین عالی	12 ستمبر
امیدِ فتح رکھو اور علم اٹھائے چلو	احسان دانش	13 ستمبر
جاگ اے مجاہدِ وطن	مظفر وارثی	14 ستمبر
کرنیل نی جرنیل نی	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	16 ستمبر
ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن	علامہ محمد اقبال	17 ستمبر
رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو	تنویر نقوی	18 ستمبر

حکومتِ پاکستان نے ان کی بے مثل خدمات کے صلے میں 18 جنوری 1966 کو تمغۂ خدمت کے ساتھ ساتھ ملکہ ترنم کے خطاب سے بھی نوازا۔

ریڈیو لاہور سے مشہور فلمی گلوکار عنایت حسین بھٹی نے بھی اپنا کردار ادا کرتے ہوئے یہ چار نغماتِ وطن پیش کیے:

- وطن کو تم پہ فخر ہے، وطن کی تم ہی شان ہو
- میرے وطن کا سبز ہے پرچم جس پر چاند ستارہ ہے
- وے ساڈا پاکستان پیر میریا جگنی
- تیرے ہمدم ترک' انڈونیشیا، ایران و چین

شاہینوں کے شہر سرگودھا کو گیتوں میں واحد خراجِ تحسین بھی بھٹی صاحب ہی نے پیش کیا ناصر کاظمی کے قلم سے نکلے اس نغمے کے بول یہ تھے ''زندہ دلوں کا گہوارا ہے سرگودھا میرا شہر' عنایت حسین بھٹی کا جذبہ حب الوطنی پر یہ واقعہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنا تمام سرمایہ پاک فوج کے دفاعی فنڈ میں جمع کروا دیا اور صرف 250 روپے رکھے۔ جب ان کی اہلیہ نے پوچھا کہ اگر جنگ طویل ہو گئی تو پھر کیا ہوگا؟ اس پر

انہوں نے برجستہ جواب دیا اگر میرا پیارا ملک ہی نہ رہا تو کیا ہوگا؟ اس لئے میرا سب کچھ میرے وطن کا ہے۔

فلم شہید کے لئے فیض کا نغمہ ''نثار میں تیری گلیوں پہ اے وطن کہ جہاں'' گا کر شہرت حاصل کرنے والے منیر حسین نے بھی ریڈیو لاہور سے افواجِ پاکستان کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان گیتوں سے خود کو متعارف کروایا:

دشمن اج للکاریا ساڈے دیس دے جان نثاراں نوں (شاعر: خواجہ عطاء)

مجاہدینِ صف شکن بڑھے چلو بڑھے چلو (شاعر: احسان دانش)

زندہ ہے لاہور پائندہ ہے لاہور (شاعر: قیوم نظر)

سیالکوٹ کے لوگوں پہ فخر ہے ہم کو (شاعر: قیوم نظر)

سمندروں کے پانیو! بہو تو تیز تر بہو! (شاعر: محمود شام)

13 ستمبر کو پاکستانی فلم انڈسٹری کے مشہور موسیقار میاں شہریار نے جنگی ترانوں میں مشیر کاظمی کا تحریر کردہ ایک خوبصورت اور جذبات سے بھرپور قومی نغمہ متعارف کروایا جسے مشہور پسِ پردہ گلوکارہ نسیم بیگم نے احساس میں ڈوب کر گایا:

''اے راہِ حق کے شہیدو! وفا کی تصویرو!
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں''

یہ وہ نغمہ تھا جس کے اثرات چونڈہ کے محاذ پر گھمسان کی جنگ میں نظر آئے، جو وقتی تھکاوٹ سے نڈھال مجاہدین کو جذبہ شہادت پر ابھار کر قتیل شفائی کے الفاظ میں نسیم بیگم ہی کی آواز میں کہتا تھا

''لائی ہوں میں تمہارے لئے پیار کا پیام
اے پھول سے مجاہدو تم کو مرا سلام
اے مادرِ وطن اونچا ہو تیرا نام''

ان کے علاوہ نسیم بیگم کا ایک اور خوبصورت قومی نغمہ ''وطن کی شان میرا ہمراہی...... میری دنیا ہے میرے سر کا تاج ہے'' بھی دورانِ جنگ نشر ہوا جو بعد میں فلم ''وطن کا سپاہی'' میں شامل ہوا۔

مشہور غزل گائیک استاد امانت علی خان نے بھی دو قومی نغمات ریکارڈ کروائے۔ جن میں اثر ترابی کا تحریر کردہ نغمہ ''اے شہیدانِ وطن تم پر سلام'' پر ان کو تمغہ خدمت سے نوازا گیا جبکہ احمد ندیم قاسمی کا لکھا ہوا دوسرا نغمہ بھی وطنِ عزیز کے رکھوالوں سے محبت کا منفرد انداز ہے جس کے بول کچھ اس طرح ہیں :

وطنِ پاک کی عظمت کے سہارے تم ہو
مجھ کو اپنے نغموں سے بھی پیارے تم ہو

ملکہ موسیقی روشن آراء بیگم نے بھی اپنی آواز کا جادو جگاتے ہوئے حمایت علی شاعر کا تحریر کردہ نغمہ ''اے بھائی تیرے ساتھ بہن کی ہیں دعائیں'' پیش کیا اس کے علاوہ پاک فضائیہ کے طیارے سیبر ایف 86 کے لئے ''اے پاک فضائیہ تیرے سیبر کی خیر ہو'' جیسا منفرد نغمہ بھی انہی کے کریڈٹ میں ہے۔

مشہور لوک گلوکار محمد عالم لوہار کی ''جگنی پاکستان دی اے'' بھی منفرد اور مشہور جنگی ترانہ ہے جسے ڈاکٹر رشید انور نے تحریر کیا، یہ انہوں نے اپنے روائتی انداز میں چمٹے کی دھن پر دو حصوں میں گائی جس کا ایک حصہ اب بالکل نایاب ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ صہبا اختر کا نغمہ ''دنیا جانے میرے وطن کی شان'' اور ڈاکٹر رشید انور ہی کا تحریر کردہ ''ساڈے شیراں پاکستانیاں'' 17 دنوں میں محمد عالم لوہار کی طرف سے وطن، عزیز سے محبت کی زندہ مثالیں ہیں۔

ریڈیو لاہور کی طرح ریڈیو کراچی بھی پیچھے نہ تھا یہاں بھی کئی گلوکاران وطن محاذِ صوت پر تھے، جن میں شہنشاہِ غزل مہدی حسن اور تاج ملتانی نمایاں رہے جبکہ نسیمہ شاہین اور نگہت سیما نے کورس میں تمام گلوکاروں کا ساتھ دیا۔ مہدی حسن خاں صاحب نے مسرور انور کا تحریر کردہ نغمہ ''اپنی جاں نذر کروں'' گا کر جنگی و قومی ترانوں کی صف میں قدم رکھا اس کے موسیقار سہیل رعنا تھے اور یہ نغمہ 9 ستمبر کو نشر ہوا۔ اس کے بعد خاں صاحب نے کئی نغماتِ حرب و وطن کی تسجیل کروائی جو یہ تھے:

اللہ کے وعدے پہ مجاہد کو یقیں ہے، اب فتح مبیں، فتح مبیں ہے (شاعر: رئیس امروہوی)

پاک شاہینوں فضا کے شہریاروں کو سلام (شاعر: ضمیر جعفری)

سیالکوٹ کے میدانِ کارزار کو دیکھ (شاعر: رئیس امروہوی)

اے ارض لاہور اے اہلِ لاہور، داتا کی نگری اے شہرِ لاہور (شاعر: رئیس امروہوی)

وطن کی آبرو رکھ لی وطن کے پاسبانوں نے (شاعر: اختر کاشمیری)

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی (شاعر: علامہ محمد اقبال)

دشمنِ دین کے مقابل ہیں وطن کے غازی (شاعر: عظیم سرور)

کافر سے جنگ ہو تو مسلمان ایک ہے (شاعر: مظفر وارثی)

ہم امن پسندوں کو نہیں جنگ گوارا (شاعر: جون ایلیا)

عظیم قوم کے بیٹے تیری جرأت کو سلام (شاعر: مسرور زیدی)

تو نگہبانِ چمن ہے تجھے سب مان گئے۔ شہناز بیگم کے ہمراہ (شاعر: طفیل ہشیار پوری)

مہدی حسن خان صاحب کا سب سے مشہور قومی نغمہ وہ ہے جو انہوں نے اہلیانِ لاہور کی نذر کیا۔ پروڈیوسر جناب عظیم سرور کہتے ہیں کہ دورانِ جنگ اہلِ لاہور کے عزم و استقامت کے پیشِ نظر ہم نے فیصلہ کیا کہ ان کو شاندار اور یادگار خراجِ تحسین پیش کیا جائے تو فوراً رئیس امروہوی صاحب کو فون کیا انہوں نے اس محاذ کی صورتحال پوچھنے کے بعد فون پر ہی فی البدیہہ لکھوا دیا اور ایک گھنٹے کے اندر مہدی حسن ہی نے اس کی دھن بنائی اور ان کے ساتھ نسیمہ شاہین، اسماء احمد اور نگہت سیما نے مل کر اسے ریکارڈ کروا دیا، شام ساڑھے پانچ بجے فوجی بھائیوں کے پروگرام میں یہ نغمہ پاک فضاؤں میں بکھرا تو ہر ایک کی زباں پر تھا:

خطہ لاہور تیرے جاں نثاروں کو سلام
شہریوں کو غازیوں کو شہسواروں کو سلام

ریڈیو کراچی سے سب سے زیادہ قومی نغمات گانے کا اعزاز ایک 24 سالہ نوجوان گلوکار تاج ملتانی کو حاصل ہوا جنہوں نے 6 ستمبر ہی کو کراچی ریڈیو سٹیشن

سے محشر بدایونی کا تحریر کردہ نغمہ "اپنی قوت اپنی جان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... ہر پل ہر ساعت ہر آن جاگ رہا ہے پاکستان" ریکارڈ کروایا جس کے موسیقار نتھو خان تھے۔ یہ نغمہ دراصل چوروں کی طرح گھسنے والے دشمن کو بیدار پاکستان کا پتہ دے رہا تھا۔ ان کا سب سے مشہور نغمہ وہ ہے جس کو سن کر بھارتی فوج بلبلا جاتی تھی اور معاہدہ تاشقند کے بعد ایک خصوصی درخواست پر اسے بند کروایا گیا۔ استاد نتھو خان کی موسیقی کے ساتھ 13 ستمبر کو دشمن کی حقیقت بتانے کے لئے یہ نغمہ تیار تھا۔

اج ہندوواں جنگ دی گل چھیڑی اکھ ہوئی حیران حیرانیاں دی

مہاراج! اے کھیڈ تلوار دی اے، جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی

پاک فضائیہ کو بھی پہلا خراجِ تحسین کراچی ریڈیو ہی سے پیش ہوا جسے تاج ملتانی نے ہی گایا۔ رئیس فروغ صاحب کا تحریر کردہ اور رفیق غزنوی کی موسیقی سے سجا نغمہ "شاہین صفت یہ تیرے جواں اے فضائے پاک" آج بھی سننے والوں کو یاد ہوگا، اس کے علاوہ رئیس امروہوی کا تحریر کردہ ایک اور نغمہ فضائیہ "اپنی فضائیہ کے یہ انداز دیکھئے" 14 ستمبر کو انہوں نے ہی ریکارڈ کروایا۔ ملک کے مشرقی حصے کے جذبات کو اجاگر کرتے ہوئے ابوسعید قریشی کی شاعری اور سہیل رعنا کی موسیقی سے سجا نغمہ "آؤ چلیں اس پار مانجھی" بھی تاج ملتانی ہی کا تھا۔ ان کے علاوہ تاج صاحب کے یہ نغمات جنگِ ستمبر کے دوران نشر ہوئے:

ہم اپنے صف شکنوں کو سلام کہتے ہیں	(شاعر: جون ایلیا)
یہ دس کروڑ انساں ملت کے ہیں نگہباں	(شاعر: مسرور انور)
مرحبا عزم و شجاعت کے علمبردارو!	(شاعر: عاشور کاظمی)
اے شہیدانِ وطن اے شہیدان وطن	(شاعر: نفیس فریدی بدایونی)
تم کو معلوم نہیں حق کے پرستار ہیں ہم	(شاعر: فیاض ہاشمی)
یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے	(شاعر: علامہ محمد اقبالؒ)
میرے وطن کے نوجواں، دلیر صف شکن جواں	(شاعر: قیوم نظر)
زمانے میں صدائے نعرۂ تکبیر گونجے گی	(شاعر: طفیل ہشیار پوری)
تو حدیثِ زندگی کی اس طرح تفسیر کر	(شاعر: طفیل ہشیار پوری)

نفس نفس میں ہے جن کے حیاتِ نو کا پیام اپنی اہلیہ نگہت سیما کے ہمراہ (شاعر: ابوسعید قریشی)

تم نے جیت لی ہے جنگ یہ اے جوانو! اے جیالو! (عشرت جہاں کے ہمراہ کورس میں، شاعر: تراب نقوی)

کراچی سے تعلق رکھنے والے پاکستانی فلم انڈسٹری کے شوخ گلوکار احمد رشدی (مرحوم) بھی جنگی ترانوں میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے اپنی روایتی شوخی دشمن پر نکالتے ہوئے بھارت پر تین طنزیہ اور انوکھے قومی نغمات ریکارڈ کروائے جن کے بول یوں تھے:

دوڑ یو بابو بھارت دیش کی ہوگئی جگت ہنسائی (شاعر: اکبر خان اصغر)

لالاجی جان دیو لڑنا کیہہ جانو تسی مرلی بجاون والے جنگ تہاڈے وسدی نئیں (شاعر: سلیم گیلانی)

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی (شاعر: سلیم گیلانی)

دوارکا کے مضبوط بحری مستقر کو تباہ کرنے کے بعد پاک بحریہ کو پہلا خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے احمد رشدی اور نگہت سیما نے 9 ستمبر ہی کی صبح یہ نغمہ نذرِ سامعین کیا۔

فرمانروائے بحرِ عرب پاک بحریہ

بھارت میں تیرا نام ہے بے باک بحریہ

(شاعر: جون ایلیا، موسیقی: نتھو خان)

پاک فضائیہ کے عظیم ہوا باز ائیر کموڈور (ر) غازی ایم ایم عالم کو مظفر وارثی کا تحریر کردہ واحد نغماتی نذرانہ احمد رشدی ہی کو پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہے جس کا مکھڑا کچھ یوں ہے:

"ناز ہے پاکستان کو تجھ پہ اے مشرق کے لال...... اے شیرِ بنگال"

جنگِ ستمبر میں احمد رشدی کے دیگر نغماتِ حرب یہ تھے:

اے کراچی مرحبا اے کراچی مرحبا	(شاعر: جون ایلیا)
لاہور سر بلند ہے لاہور زندہ باد	(شاعر: جون ایلیا)
ارضِ سیالکوٹ حرمِ مرتبت ہے تو	(شاعر: حمید نسیم)
سرکشی ہے جنگ آمادہ تو پھر یونہی سہی	(شاعر: جون ایلیا)
ہم گبھرو پاکستان کے ہم شیروں کے سردار	(شاعر: سلیم گیلانی)
ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن	(شاعر: علامہ محمد اقبال)
آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش	(شاعر: علامہ محمد اقبال)

کراچی سے ایک اور گلوکارہ ناہید نیازی نے ایک خوبصورت پنجابی ترانہ "جان دے کے اپنی توں ملک بچالیا...... صدقے جاواں میں ترے ماں گھن کہنے والیا" گایا جس میں ایک شہید کی ماں کے جذبات تھے اس گیت کو ساحل فارانی نے الفاظ میں سمویا جبکہ موسیقی مصلح الدین کی تھی۔ اسی طرح عشرت جہاں جنگِ ستمبر کی ایک لوری "میرے بیٹے آج میں تجھ کو نئی لوری سناتی ہوں...... اپنے شہیدوں کے بارے میں آج تجھے بتلاتی ہوں" ریکارڈ کروائی۔ نگہت سیما نے قتیل شفائی کا لکھا "اے میرے نورِ نظر جاتا تو ہے بہرِ جہاد...... جو نصیحت کر رہی ہوں ہر قدم پہ رکھنا یاد" گا کر ایک ماں کی مجاہد کو وصیت بتائی تو مالا بیگم نے حمایت علی شاعر کے لکھے ہوئے الفاظ میں "میرے بہادر بھیا سینہ سپر رہنا" ریکارڈ کروا کر ایک بہن کے مجاہد بھائی سے جذبات کو عیاں کیا۔

جنگ کے دوران ریڈیو پاکستان کے تمام سٹوڈیوز اتنے مصروف تھے کہ وہاں ریکارڈنگ میں مشکلات پیش آرہی تھیں تو اس موقع پر مشہور گراموفون کمپنی ای ایم آئی نے جذبہ حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے سٹوڈیوز اور ملازمین کی خدمات بلا معاوضہ ریڈیو کو پیش کردیں۔ وہاں بھی کئی نغمات ریکارڈ ہوئے جن میں زرینہ آغا نے 8 جنگی ترانے ریکارڈ کروائے۔ ان کے علاوہ مشہور صنعتکار خاندان تابانی گروپ کے حبیب ولی محمد (جن کا گزشتہ سال انتقال ہوا ہے) نے بھی اسی سٹوڈیو میں دورانِ جنگ وہ قومی نغمات پیش کئے جو آج بھی ذہن کے پردوں میں

محفوظ ہیں جن میں شاعر لکھنوی کا تحریر کردہ اور سہیل رعنا کی دھن سے مزین "اے نگار وطن تو سلامت رہے" ان کی پہچان ہے۔ یہ نغمہ 20 ستمبر کو نشر ہوا۔ حمایت علی شاعر کی نظم "لہو جو سرحد پہ بہہ چکا ہے" اِن کی آواز میں محاذ پر مجاہدینِ پاک کے حوصلے بڑھاتی رہی۔

جنگِ ستمبر میں ملک کے مشرقی حصے کی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے کشمیر سے لے کر لاہور کے محاذ تک ارضِ وطن سے اپنی محبت کا ثبوت دیا۔ ان کے لئے بھی مغربی حصے نے نغماتِ تہنیت بنائے جو یہ تھے:

مشرقی بنگال کے آتش بجانوں کو سلام (گلوکار: سلیم رضا)
مشرقی پاک کے نوجواں غازیو! (گلوگار: تاج ملتانی، زمرد بانو و دیگر)
سلام اے ڈھاکا و چاٹگام کے غازی نگہبانو! (گلوکار: بشیر احمد اور ساتھی)

کشمیری مجاہدین کی لازوال قربانیوں اور جہدِ مسلسل کو بھی ہمارے فنکاروں نے بہت خوبصورت انداز میں یاد رکھا اور دورانِ جنگ یہ نغمات ریڈیو پاکستان اور ریڈیو صدائے کشمیر سے گونجتے رہے:

کشمیر سے وابستہ ہے تقدیر ہماری (گلوکار: سلیم رضا)
اٹھے جہاد کے لئے سری نگر کے نوجواں (گلوکار: سلیم رضا)
نڈر دلیر بچیاں سری نگر کی بیٹیاں (گلوگارہ: نذیر بیگم)
جاگ اٹھا کشمیر، جاگ اٹھا کشمیر (گلوکار: سلیم شہزاد)
اے وادی کشمیر اے وادی کشمیر (گلوکاران: احمد رشدی، نگہت سیما و کورس)
اے وطن کے نوجواں وادیء کشمیر ہے دیکھ تیرا امتحاں (گلوکارہ: زمرد بانو)
میرے وطن تیری جنت میں آئیں گے اک دن (گلوکارہ: اینقہ بانو)
اے وادیء لولاب اے وادیء لولاب (ملکہ پکھراج)

جنگِ ستمبر کے فوراً بعد ایک ایسا نغمہ ریڈیو کراچی سے نشر ہوا جس کے بغیر ہمارے عسکری سبز گیتوں کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی، وہ نفیس فریدی بدایونی کی تحریر کردہ ایک طویل نظم تھی جس کے کچھ حصے استاد حامد حسین کی مرتب کردہ موسیقی پر گلوگار نہال عبداللہ نے ریکارڈ کروائے، یہ پوربی زبان میں بھارتی فوج کی اپنے نیتاؤں سے شکایت کے ساتھ ساتھ بھارتی عوام کو پاکستانی فوج کے حوصلے بتا رہی تھی، اس نغمے کے بول یہ تھے "پاکستانی بڑے لڑیّا جن کی سہی نہ جائے مار"۔ یہ ہماری قومی نغمات کی تاریخ کا سب سے طویل جنگی ترانہ ہے جو تقریباً 14 منٹ پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یاور عباس کے الفاظ میں نہال عبداللہ دشمن کو بتا رہے تھے کہ "کبھی بھول کر نہ آنا میری سرحدوں کی جانب"

جنگِ ستمبر کے دوران ریڈیو پاکستان کراچی اور لاہور سے نشر شدہ کچھ گم گشتہ عسکری نغمات یہ ہیں:

دم بہ دم بڑھا قدم مہرباں ہے آسماں (گلوکار: سلیم چوہدری)
لہروں سے گزر لہراتا ہوا (گلوکار: سلیم شہزاد)
اے وطن بیدار ہیں تیرے جیالے نوجواں (گلوکارہ: نسیمہ شاہین)
میرے وطن کے شہیدوں کے سربراہ سلام (گلوکارہ: نجمہ نیازی)
ہاں اے محافظانِ وطن جاگتے رہو (گلوکار: ایم کلیم)
دن رات اپنے گا جب دشمن (گلوکار: زوار حسین)
یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں (گلوکار: ایس بی جون)

جنگِ ستمبر 1965ء میں نغماتِ وطن اور مجاہدین کو خراجِ تحسین کا یہ سلسلہ چل نکلا اور تاریخ پاکستان میں ایک نئے ادب اور نئی طرزِ موسیقی کی جہت نے جنم لیا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اتنے کم عرصہ میں صرف دو ریڈیو سٹیشنز کی طرف سے اتنی بڑی تعداد میں ترانے نشر ہوئے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آج بھی ہمارے سبز گیت بن رہے ہیں اور تا ابد بنتے رہیں گے تاہم جنگِ ستمبر کے نغمات میں جوش و جذبے کی بات ہی الگ تھی۔ ان نغمات کو جو ہمارے قومی و ملی ورثے کا ایک اہم جزو ہیں' محفوظ اور زندہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ پاکستان تا ابد قائم رہے گا اور تا ابد یہ نغمے ہماری آزاد فضاؤں میں گونجتے اور لہو کو گرماتے رہیں گے۔

ناقابلِ تسخیر ہیں ہم

ناقابلِ تقسیم ہیں ہم' ناقابلِ تسخیر ہیں ہم
اقبالؒ کے اور قائد کے ہر خواب کی تعبیر ہیں ہم
ناقابلِ تسخیر ہیں ہم
اس ملک نے یوں قائم و دائم رہنا ہے رہتی دنیا تک
دشمن نہ مٹا پایا جس کو' انمٹ وہ تحریر ہیں ہم
ناقابلِ تسخیر ہیں ہم
ہم جوہری طاقت کے حامل' ہم ہر میدان کے فاتح ہیں
ہم فخر ہیں پُوری ملت کا' اسلام کی توقیر ہیں ہم
ناقابلِ تسخیر ہیں ہم
ہم ایسی ہمت والے ہیں ہر مشکل ہم سے ڈرتی ہے!
ہم ضربِ عضب' لگائیں گے دشمن کے لئے شمشیر ہیں ہم
ناقابلِ تسخیر ہیں ہم
سانجھی خوشیاں ہیں سانجھے غم' سانجھا ہے اپنا مستقبل
گلگت سے گوادر تک سانجھے احساس کی اِک زنجیر ہیں ہم
ناقابلِ تسخیر ہیں ہم

احمد نواز

تیار و کامران

کمانڈر راولپنڈی کور لیفٹیننٹ جنرل قمر جاوید باجوہ آزاد کشمیر کے اگلے مورچوں کے دورے کے موقع پر جوانوں سے ملاقات کر رہے ہیں

کمانڈر لاہور کور لیفٹیننٹ جنرل نوید زمان لاہور اور قصور کے اگلے مورچوں کا دورہ کرتے ہوئے پاک فوج اور رینجرز کے جوانوں سے ملاقات کر رہے ہیں۔

برطانیہ کے دارالحکومت سے کوئی تیس میل کی دوری پر رہنے والا کیپٹن راجہ جاوید اقبال تعلیم، کھیل اور دیگر امور زندگی میں ایک مثالی نوجوان تھا مگر اس کی منزل یورپ نہیں اس کا اپنا وطن کشمیر تھا کہ جس کی آزادی میں اس کے اجداد کا خون شامل تھا اور جس کی بنیادوں سے اس کی روح جڑی تھی۔

جنت کا مکین

کیپٹن جاوید اقبال شہید۔تمغہ بسالت

انوار ایوب راجہ

ہر سال اگست کا مہینہ میرے لئے ایک عجیب روحانی تجربہ ثابت ہوتا ہے۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ایک بہت بڑے جشن کی تیاری ہو رہی ہے اور اس میں عظیم شہدائے اسلام موجود ہیں اور یہ سب اپنی صفوں میں شامل ہونے والے ایک اور سپاہی کے استقبال کے منتظر ہیں۔ شائد کچھ ایسا ہی منظر تھا جب 5 اگست 1999 کو بٹالک سیکٹر میں پاک فوج کا ایک عظیم توپچی اور مادر وطن کشمیر کا ایک عظیم سپوت کیپٹن جاوید اقبال شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوا۔

میرا اور شہید کپتان کا رشتہ بہت پرانا ہے جو آج تک ویسے ہی قائم اور دائم ہے جیسا اگست 1999 سے پہلے تھا۔ جونیئر کیڈٹ اکیڈمی منگلا سے کاکول اور لاہور سے نوشہرہ کا ذکر ہو یا پھر کوئٹہ سے مستونگ یا راولپنڈی سے کارگل تک کا سفر۔۔۔ میں ان کی تمام تعیناتیوں اور کورسز کے احوال سے واقف رہا کیونکہ شائد میرے ذمے اللہ پاک نے اس شہید کی سوانح عمری لکھنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ توپ خانے کی ایک مایہ ناز یونٹ میں جب ایک نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ لاہور میں حاضر ہوا تو شائد اللہ نے اس کے لئے عظیم مقام کا انتخاب کر دیا تھا اسی لئے اس یونٹ کا نام ہی "جنتوں کی جنت" 47 فیلڈ تھا۔ جنت کا یہ شہسوار جس جذبے کے ساتھ فوج میں آیا وہ مثالی تھا۔ برطانیہ کے دارالحکومت سے کوئی تیس میل کی دوری پر رہنے والا کیپٹن راجہ جاوید اقبال تعلیم، کھیل اور دیگر امور زندگی میں ایک مثالی نوجوان تھا مگر اس کی منزل یورپ نہیں اس کا اپنا وطن کشمیر تھا کہ جس کی آزادی میں اس کے اجداد کا خون شامل تھا اور جس کی بنیادوں سے اس کی روح جڑی تھی۔

پاک فوج میں شمولیت کے بعد سے (بلکہ پی ایم اے کے دنوں سے) اپنی شہادت تک جس انداز سے کیپٹن جاوید اقبال شہید نے خود کو ثابت قدم رکھا وہ ایک طویل داستان ہے اور آج بھی ان کے کورس میٹ، دوست اور رشتے دار جب انھیں یاد کرتے ہیں تو بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ان کے منہ سے یہی الفاظ نکلتے ہیں۔

He was the best.....

اس سال جب میں اپنے اس عظیم ہیرو کی داستانِ شجاعت لکھ رہا ہوں تو میرے سامنے کچھ یاداشتیں ہیں جو شہادت کے بعد مجھے کیپٹن جاوید شہید کی سوانح عمری لکھتے وقت موصول ہوئیں۔ پڑھنے والوں میں اگر کوئی حاضر سروس یا سابقہ فوجی ہے تو اسے علم ہوگا کہ ایک فوجی افسر کی زندگی میں اس کے قریب ترین شخص اس کا اردلی ہوتا ہے۔ سپاہی نصیر احمد نے کیپٹن جاوید اقبال شہید کے ساتھ ایک طویل وقت گزارا اور نیچے کی سطور انہی یاداشتوں کا حصہ ہیں جو سپاہی نصیر احمد نے لکھیں۔

نصیر لکھتے ہیں: ''میری فوجی زندگی کے ابتدائی ایام میں مجھے بھی ایک ایسا شخص ملا جس کی خدمت عقیدت و محبت میں بدل گئی۔ وہ شخص ایک نیک سیرت اور سچا انسان تھا جس سے میری ملاقات فروری 1994 میں ہوئی۔ اس وقت میں یونٹ میں نیا نیا ریکروٹ آیا تھا۔ اسی دن شامی روڈ لاہور میں واقع آفیسرز میس ڈی میں مجھے سیکنڈ لیفٹیننٹ راجہ جاوید اقبال کے ساتھ بطور اردلی بھجوا دیا گیا۔ اس سے قبل میں نے کسی افسر کے ساتھ کام نہیں کیا تھا اس لئے میں پریشان تھا۔ میں جب آفیسرز میس پہنچا تو عصر کا وقت ہو چکا تھا اور ڈی میس کی دوسری منزل پر جاوید صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے اور ساتھ ٹیپ پر انگلش گانا بھی بج رہا تھا۔ جب میں نے اپنی آمد کی اطلاع دی تو سیکنڈ لیفٹیننٹ جاوید اقبال صاحب نے کتاب اور ٹیپ کو بند کیا اور مجھے پاس بلا کر کہا کہ آپ میرے بھائی ہیں۔ آپ کا کام مجھے صبح جگانا ہوگا کیونکہ میں رات کو دیر سے سونے کا عادی ہوں۔ بعد میں پتہ چلا کے وہ رات گئے تک کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ یہ میری جاوید صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ چائے پلائی اور کہا کہ شاید کل سے رمضان شروع ہو جائے۔ اب آپ عصر کی نماز پڑھیں اور آرام کریں۔ اگر رات کو نماز تراویح پڑھی گئی تو آپ میرے پاس آنا اور دونوں اکٹھے مسجد چلیں گے۔ وہ نماز، روزے اور نماز تراویح کے بڑے پابند تھے۔ اگر کبھی رمضان میں ان کو سحری نہیں بھی ملی تو پھر بھی وہ پانی پی کر روزہ رکھ لیتے تھے۔

لاہور میں یونٹ کی طرف سے انہوں نے ہر کھیل میں حصہ لیا، وہ ہاکی، فٹبال اور کرکٹ کے بہترین کھلاڑی تھے۔ انہوں نے چار کور کی طرف سے فٹ بال ٹیم میں بھی حصہ لیا۔ آرمی فٹ بال کے میچ ملتان میں کھیلے گئے تو میں ان کے ساتھ ملتان گیا۔ وہیں پر انہوں نے لیفٹیننٹ سے کیپٹن کے عہدے کے لئے پروموشن کا امتحان بھی دیا۔ فارغ وقت میں وہ مجھے لے کر ملتان میں واقع تاریخی مقامات اور بزرگان دین کے مزارات دیکھتے اور پھر اپنی نوٹ بک پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے۔ وہ اکثر اپنی بڑی بہن، جن سے انہیں بے حد پیار تھا، کے لئے چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی خریدتے۔ ان دنوں ملتان میں شدید گرمی تھی اور رات کو پنکھے کے نیچے سونا بھی مشکل تھا۔ ان کے کمرے میں اے سی لگا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نصیر میں صبح جب کھیلنے چلا جاتا ہوں تو آپ اسے آن کر کے سو جایا کریں۔ گرمی اور مچھر کی وجہ سے بیرکوں میں پنکھے کے نیچے آپ کو نیند نہیں آتی ہوگی۔ میں نے عرض کی کہ سر جب نیند آتی ہے تو گرمی سردی کا پتہ بھی نہیں چلتا۔

جاوید صاحب جب کیپٹن بنے تو ان کو یونٹ ایڈ جوٹنٹ کی ڈیوٹی دے دی گئی۔ وہ رحم دل انسان تھے مگر جو آدمی جھوٹ بولتا اور غلط بیانی کرتا اس کے ساتھ غصے سے پیش آیا کرتے تھے۔ اگر کسی کے ساتھ ان سے کوئی زیادتی ہو جاتی تو غصہ ٹھنڈا ہونے پر اس آدمی سے معذرت کر لیا کرتے تھے۔ کیپٹن جاوید اقبال بچوں، بوڑھوں اور معذوروں سے پیار کرتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے کزن راجہ ذوالقرنین کو لاہور اسٹیشن پر چھوڑنے گئے، واپس آرہے تھے کہ دوبئی چوک کے قریب صدر گلی سے اچانک ایک ضعیف آدمی روڈ پر آگیا۔ کیپٹن صاحب موٹر سائیکل چلایا کرتے تھے۔ جب موٹر سائیکل اس ضعیف شخص کے بالکل قریب آگئی اور کیپٹن صاحب کے کنٹرول کرنے کے باوجود قابو سے باہر ہوگئی اور انہیں یقین ہوگیا کہ ضعیف شخص موٹر سائیکل کی زد سے نہیں بچ سکے گا۔ اس سے پہلے کہ موٹر سائیکل بوڑھے پر چڑھ دوڑتا، کیپٹن صاحب نے فوراً موٹر سائیکل الٹا دی اور خود قلابازیاں کھاتے ہوئے موٹر سائیکل سے کافی دور جا گرے۔ اس طرح جاوید صاحب نے ضعیف آدمی کو اپنی جان پر کھیل کر بچا لیا اور اس حادثے میں انہیں بڑی شدید چوٹیں آئیں جو زیادہ تر کہنیوں اور گھٹنوں پر تھیں۔ میس میں آکر یہ واقعہ مجھے سنایا تو میں نے کہا کہ سر آپ کو کچھ ہو جاتا تو انہوں نے جواب دیا نصیر مجھے بزرگوں سے بہت زیادہ محبت ہے میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ بابا جی میری موٹر سائیکل سے ٹکراتے اور انہیں کوئی تکلیف ہوتی، انہوں نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ پر پورا پورا یقین ہے۔ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے اور اس وقت تک موت خود انسان کی حفاظت کرتی۔ زندگی کی حفاظت ضروری ہے مگر دوسروں کا خیال بھی فرض ہے۔ کیپٹن جاوید اپنی جیب میں درود شریف ضرور رکھا کرتے تھے۔ جب وہ سفر میں ہوتے یا پھر کبھی کمرے میں فارغ ہوتے تو درود شریف کا ورد کرتے رہتے۔ انہوں نے اپنے کمرے میں ایک فریم میں آیت الکرسی لگا رکھی تھی۔ جب وہ صبح وردی پہن کر آفس جانے کے لئے تیار ہو جاتے تو آیت الکرسی کو اس کے سامنے کھڑے ہو کر سلیوٹ کرتے اور اپنی آنکھوں کے ساتھ لگاتے اور اس کو چوم کر دفتر چلے جاتے۔ کیپٹن جاوید نے کبھی کسی کے ساتھ فضول بات نہیں کی اور نہ ہی کبھی فون پر بیٹھے ہوئے دیکھے گئے۔ ہاں جب کبھی انگلینڈ سے فون آنا ہوتا یا ان کی بہن کا فون آتا اس کو سننے ضرور جاتے۔ ان کی بہن دن میں ایک دو بار ان کا ضرور پتہ کرتیں۔ اگر کبھی فارغ نہ ہوتے تو میری ڈیوٹی لگاتے کہ نصیر آپا کا فون آئے گا تم سن لینا۔ کیپٹن صاحب کو اردو لکھنی پڑھنی نہیں آتی تھی۔ ایک دفعہ گھر سے ان کی بیگم نے انہیں اردو میں خط لکھا تو وہ خط میں نے انہیں پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد کبھی ان کی طرف بیگم کا خط نہیں آیا۔ انہیں صرف ان کے بھانجے شہریار کے خط آتے جو انگریزی میں ہوتے۔

کیپٹن جاوید شہید دوسروں کی مدد کرنا اپنا فرض عین سمجھا کرتے تھے۔ جب وہ

اوایم ٹی کورس کرنے نوشہرہ گئے تو ایک کیپٹن صاحب کے پیسے گم ہوگئے۔ ان کے پاس خرچ کے لئے بھی کچھ نہ بچا۔ جب جاوید صاحب کو پتہ چلا تو بغیر مانگے انہیں دو ہزار روپے دیئے۔ جاوید صاحب کی شہادت کے بعد کیپٹن صاحب نے وہ رقم مجھے بھیج دی تاکہ ان کے گھر بھجوادوں۔ لاہور سے ہماری یونٹ کوئٹہ آئی اور پھر کوئٹہ سے ہم پنجگور مردم شماری کے لئے چلے گئے۔ جاوید صاحب ہیڈ کوارٹر بیٹری کے ساتھ گیچک گئے جہاں ہر دوسرے دن جوانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے اور جوانوں کو خوش رکھنے کے لئے انہیں تاریخی واقعات سنایا کرتے تھے۔ پنجگور جانے سے پہلے وہ مسرور بیس کراچی کورس پر گئے۔ کلاس سے فارغ ہوکر وہ کراچی کی سیر کرتے اور بطور ترجمان مجھے بھی ساتھ رکھتے۔ وہ روانی سے اپنی مادری زبان پہاڑی اور انگریزی ہی بول سکتے تھے اردو بولنے میں انہیں دقت ہوتی۔ ایک دن وہ مجھے اپنے ساتھ عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر لے گئے اور بڑی دیر تک وہاں مراقبے کی حالت میں رہے۔ کیپٹن صاحب کی ان باتوں سے کوئی گمان بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ نوعمر سجیلا جوان انگلینڈ میں پیدا ہوا اور وہیں پڑھا اور پلا بڑھا ہے۔ یہ پشتوں سے امیر گھرانے کا چشم و چراغ ہے اور اسے کبھی کوئی دکھ یا پریشانی نہیں ہوئی۔ ایسے شخص کا دیندار، رحمدل اور پاکباز ہونا اس کی عظمت کی دلیل تھی اور شہادت کا رتبہ حاصل کرنا اس کا حق تھا۔ جب ہم کراچی سے کوئٹہ کے لئے روانہ ہوئے تو دونوں ایک ہی گاڑی میں سوار تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ راستے میں لسبیلہ آکر ایک ہوٹل پر رکے، وہاں ہم نے چائے پی اور ساتھ بسکٹ بھی کھائے۔ وہ بسکٹ بڑے شوق سے کھایا کرتے تھے۔ مجھے انہوں نے بسکٹ کھانے کو کہا مگر میں نے کہا کہ نہیں میں بسکٹ نہیں کھاتا۔ تھوڑی دیر گاڑی رکنے کے بعد وہاں سے چل پڑی اور تقریباً ایک یا دو کلومیٹر چلنے کے بعد گاڑی خراب ہوگئی۔ میں گاڑی چلتے ہی سو گیا اور پوری رات خراب گاڑی میں سویا رہا۔ میری سیٹ پیچھے کی طرف کھل جاتی تھی اور جاوید صاحب کی سیٹ نہیں کھلتی تھی۔ انہوں نے پوری رات بیٹھے بیٹھے گزاری اور صبح چار بجے جب سحری کا وقت ہوا تو انہوں نے مجھے جگایا اور کہا سحری کرلو۔ میں نے کہا کے سر خضدار آگیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ابھی تک گاڑی وہاں ہی کھڑی ہے جہاں شام کو ہم لوگوں نے چائے پی تھی۔ اب یہاں پر ہوٹل بھی نہیں تھا، انہوں نے دو بسکٹ کھانے کے بعد باقی سارے بسکٹ مجھے کھلا دیئے۔ جب میں کھا چکا تو مجھے مذاق سے کہنے لگے نصیر آپ تو بسکٹ نہیں کھایا کرتے تھے۔ پھر بولے اگر آپ بُرا نہ منائیں تو آپ میرے والی سیٹ پر آجائیں، بیٹھ بیٹھ کر میری کمر درد کرنے لگی ہے، میں بھی تھوڑا آرام کرلوں۔ اس طرح گاڑی صبح تک ٹھیک نہ ہوسکی اور جاوید صاحب وہاں سے آئل ٹینکر پر بیٹھ کر خضدار آئے۔ وہاں پر ان کے بہنوئی کرنل محمد ایوب صاحب کی یونٹ تھی لیکن کرنل صاحب ابھی تک خضدار نہیں پہنچے تھے۔ وہ خضدار میں کچھ دیر میجر قاضی فاروق صاحب کے ساتھ رہے جن کا تعلق ان کے گاؤں سے تھا اور پھر وہاں سے بذریعہ بس کوئٹہ پہنچے۔ جب وہ آفیسرز میس پہنچے تو اذان ہوچکی تھی۔ اس دن انہوں نے صرف پانی پی کر روزہ رکھا۔ جاوید صاحب شبِ برأت، شعبان اور شوال کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری سال میں وہ شب برأت کا روزہ نہ رکھ سکے ان دنوں وہ بارہ کور ایتھیلیٹکس ٹیم کے ساتھ بہاولپور گئے ہوئے تھے اور میں چھٹی پر گیا تھا۔ جب میں واپس آیا تو انہوں نے افسوس کیا اور کہا کہ نصیر اس دفعہ آپ نہیں تھے تو مجھے شب برأت کا پتہ نہیں چلا جس کی وجہ سے میں روزہ نہیں رکھ سکا۔ چندروز پہلے میری بیگم نے انگلینڈ سے فون کیا اور پوچھا کہ شب برات کیسے گزری تو میں نے کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں کہ شب برات کب گزری ہے۔ آخری بار کیپٹن صاحب اپنے والدین، بیگم اور بچوں سے ملنے انگلینڈ گئے۔ وہ اپنے بچوں، بہن، بھائیوں اور والدین کو بہت یاد کرتے تھے۔ اس بار انہیں چھٹی بڑی مشکل سے ملی تھی حالانکہ پہلے کبھی ایسے نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے بیٹے حمزہ کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے جن کی پیدائش بھی انگلینڈ میں ہوئی تھی۔ وہ اکثر کہتے اس بار امی ابو بہت یاد آرہے ہیں۔ وہ چھٹی لے کر انگلینڈ گئے تو واپسی پر وہ میرے لئے ایک گھڑی لے کر آئے۔ وہ اکثر مجھے دعا کرنے کو کہا کرتے تھے، ان کو دعا پر بڑا یقین تھا۔ 1995 کا ذکر ہے کہ لاہور میں نماز عصر کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میرے منہ سے نکلا "یا اللہ جاوید صاحب کو شہادت کی موت دے"۔ پھر یہ الفاظ بار بار نکلنے لگے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اپنے والدین اور عزیزوں کی بخشش کی دعا کروں مگر بار بار یہی الفاظ دہراتے ہوئے میں مسجد میں گر گیا۔ اس واقعہ نے کئی روز تک مجھے پریشان رکھا۔ میں جب بھی جاوید صاحب کو دیکھتا تو ایسے لگتا جیسے یہ واقعی شہید ہوکر جنت میں جانے والے ہیں۔

میں اکثر خواب میں انہیں شہداء کی صف میں دیکھنے لگا تو میری پریشانی بڑھ گئی۔ مجھے اداس دیکھ کر کیپٹن صاحب نے مجھے پاس بلایا اور وجہ پوچھی تو میں نے اپنی دعا کا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر کہنے لگے نصیر یہ تو بڑی سعادت کی بات ہے مگر ہماری اتنی اچھی قسمت کہاں شہادت کے لئے اللہ اپنے نیک بندوں کا ہی انتخاب کرتا ہے۔ کچھ عرصے بعد نماز عصر کی دعا کا واقعہ پھر پیش آیا اور جو الفاظ لاہور میں میری زبان پر بار بار آتے تھے پھر جاری ہوگئے، میں نے کہا کہ سر آج پھر آپ کے لئے بار بار وہی لاہور والی دعا ادا ہو رہی ہے۔ سر اب اللہ تعالیٰ آپ کو شہادت کے درجے سے نوازیں گے۔ ان کو اکثر میں شہید کے درجات اور جنت کی نعمتوں کے بارے میں حدیث شریف بھی سنایا کرتا تھا۔ جب وہ نوشہرہ لوکیٹنگ کورس پر گئے تو انہوں نے سکول آف آرٹلری کی لائبریری سے اپنے نام پر مجھے ایک کتاب خطبات محمد لے کر دی۔ اس سے ہر روز میں ان کو حضور ﷺ کے پیارے پیارے خطبات پڑھ کر سنایا کرتا۔ وہ صبح صبح ڈیک پر

قاری عبیدالرحمان کی آواز میں سورۃ الرحمان سورۃ یٰسین اور سورۃ نور کی تلاوت سنتے تھے۔ جب انہوں نے ایک آیت کریمہ کا ترجمہ سنا کہ جنت میں سبز رنگ کے قالین ہوں گے تو انہوں نے اپنے کمرے میں بھی سبز رنگ کا قالین بچھایا اور کھڑکیوں پر سبز رنگ کے پردے لگا دیئے۔

کیپٹن جاوید اقبال نے نوشہرہ کورس پر جانا تھا اور وہ اس کی تیاری میں مصروف تھے کہ اچانک اُن کا نام کارگل محاذ جانے کے لئے آ گیا۔ مجھے بلا کر کہا اب نوشہرہ کو چھوڑو میں محاذ جنگ پر جا رہا ہوں، زندگی رہی تو واپس آ کر کورس پر جاؤں گا۔ جی ایس او تھری کیپٹن انوار تارڑ کو بتایا کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔ میں نے انشاءاللہ تعالیٰ شہید ہو جانا ہے۔ کیپٹن تارڑ جذباتی ہو کر اونچی آواز میں بولے :''جاوید چپ کرو تمہیں کون یہ خبریں دیتا ہے؟ تم واپس آؤ گے'' انہوں نے کہا کہ مجھے دعا پر پورا پورا یقین ہے۔ انشاءاللہ مجھے شہادت ضرور ملے گی۔ کیپٹن جاوید اکثر کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سب کچھ دیا۔ اب اگر شہادت کی موت بھی دے دی تو اور کیا چاہئے۔ پھر کہتے میری اتنی تیاری نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو حساب دے سکوں، میں چاہتا ہوں بغیر حساب کے جنت مل جائے، شاید وہ تین بجے والی گھڑی کیپٹن صاحب کے لئے قبولیت کی گھڑی تھی۔ 25 جون 1999 کو جاوید صاحب گھر جانے لگے تو مجھے کہا: نصیر میری شہادت کے بعد میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا، میں نے کہا: سر میری بھی یہی خواہش ہے اگر پہلے میں اس دنیا سے چلا گیا تو انہوں نے جواب دیا میرے اور اپنے سامان پر چِٹ لگا دینا تا کہ یونٹ والے چِٹ پڑھ کر ہمارا سامان گھر بھیج دیں۔ میں نے کہا کہ سر آپ سے پہلے میں دنیا سے چلا گیا تو آپ ہر نماز کے بعد ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مجھے بخش دینا۔ وہ ہنس کر کہنے لگے کہ مجھ سے نمازوں میں اکثر کوتاہی ہو جاتی ہے لیکن آپ کے لئے ہر روز بغیر نماز کے ہی پڑھ لیا کروں گا لیکن آپ میرے ساتھ وعدہ کریں آپ کو میرے لئے ہر نماز کے بعد یہی پڑھنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے میری بخشش طلب کرنا ہوگی۔ میں نے کہا: سر سنا ہے شہید اپنے رشتہ داروں کی شفاعت کا ذریعہ بنتا ہے۔ آپ نے روز قیامت میری شفاعت کرنی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت نصیب کی تو ضرور آپ کی سفارش کروں گا۔ میں نے ہنس کر کہا: سر آپ بھول جائیں گے تو کہنے لگے ایسے نہیں ہو سکتا، تم میری خدمت کرتے رہے ہو، اب تم میرے ہی خاندان کا حصہ ہو، وہ دنیا اور ہے، وہاں بھول جانا آسان نہیں۔ وعدہ رہا۔ پہلے تمہاری سفارش کروں گا ہاں وعدہ کرو اگر تم شہید ہو گئے تو پھر مجھے جنت میں لے جانا۔

کیپٹن صاحب جب گھر جا رہے تھے تو کمرے کے باہر برآمدے میں کیپٹن انعام اللہ قمر کھڑے تھے۔ ان کو جاوید صاحب نے کہا کہ میں جا رہا ہوں، نصیر کا خیال رکھنا یہ میری امانت ہے، آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں، کچھ عرصہ تک کیپٹن صاحب نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور جاوید صاحب کی شہادت کے بعد میرا ویسے ہی خیال رکھا، پھر میری شادی ہو گئی تو میں ان کی خدمت جاری نہ رکھ سکا۔

2 جولائی 1999 کو کیپٹن جاوید نے مجھے اپنے گھر دعوت پر بلایا۔ میں نے اس روز ان کے ساتھ دن کا کھانا کھایا، کچھ دیر ان کے ساتھ ان کے گاؤں میں وقت گزار کر میں نے اجازت چاہی، میری ان کے ساتھ یہ آخری ملاقات تھی۔ جب میں ان کے گھر سے نکلا تو وہ ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے رخصت کر رہے تھے جب میں ان کی نظروں سے اوجھل ہونے والا تھا تو انہوں نے مجھے آواز دی' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو انہوں نے دونوں ہاتھ اوپر کئے اور کہا اللہ حافظ۔ وہ منظر مجھے کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ منظر ہر وقت میرے ذہن میں گھومتا رہتا ہے اور بہت ہی ستاتا ہے۔ یہ وہ منظر ہے جس وقت میرے محسن نے مجھے آخری بار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہا۔ کیپٹن جاوید اقبال نے محاذ جنگ پر جانے سے پہلے مجھے چند وصیتیں کی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ نصیر میرے گھر والوں کو بتا دینا کہ میری قبر کچی رکھیں اور میری خواہش ہے جنید حافظ قرآن بنے اور حمزہ آرمی میں کمیشن لے۔ میری شہادت کے بعد تم میرے گاؤں کی مسجد میں اذان دینا میں سنوں گا۔ کیپٹن جاوید اقبال شہید کی محبتوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کو ہر کوئی اچھے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ میرے گاؤں والوں نے انہیں کبھی دیکھا نہیں مگر اس کے باوجود ان کی شہادت کی خبر جب میرے گاؤں پہنچی تو پورے گاؤں میں اداسی چھا گئی۔ میرے گاؤں کی مسجد کے امام محمد یوسف خان صاحب ہر جمعہ کی نماز کے بعد جاوید صاحب کے درجات کی بلندی کی دعا مانگتے ہیں۔ ہماری یونٹ کا دھوبی چچا سرور اکثر کیپٹن صاحب کو یاد کرتا ہے اور اُن کی یاد میں غمگین ہو جاتا ہے۔

یونٹ کے نائیک نصیر احمد عباسی اور غلام مرتضیٰ ستی ہر نماز کے بعد بلند آواز سے جاوید صاحب کے لئے دعا کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ کون ہے جس نے اس مرد مجاہد کو ایک بار دیکھا ہو اور وہ انہیں بھول جائے۔ ہر شخص ان کے درجات کی بلندی ان کے بچوں کی درازی عمر کے لئے دعا گو ہے۔ ہماری یونٹ کے کرنل امتیاز صاحب نے انگریزی اخبار میں جاوید صاحب کے متعلق مضمون لکھا اور دعا کی کہ اللہ ہمیں اتنی زندگی دے کہ حمزہ جاوید اسی شان سے ''ہیون آف دی ہیونز'' میں آئے اور اپنے باپ کی کرسی پر بیٹھے۔ دعا ہے کہ ہر پاکستانی افسر اور جوان کیپٹن جاوید جیسا ہو اور کوئی میلی آنکھ سے اس ملک کی سرحدوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کرے (آمین)

سپاہی نصیر احمد نے اپنا وعدہ پورا کیا اور 8 اگست 1999 کی شام نصیر نے کیپٹن جاوید شہید کے گاؤں کی مسجد میں اذان دے کر اپنے کمانڈر کے حکم کی تعمیل کی۔ ہر سال کیپٹن جاوید شہید کی برسی کے موقع پر ان کے گاؤں اور والدین کے گھر برطانیہ میں دعا کا اہتمام ہوتا ہے، ہر سال اس تقریب میں بہت سے لوگ ویسے ہی آتے ہیں جیسے کوئی کسی شاہی جلوس میں جاتا ہے۔ عظیم ہیں وہ مائیں کہ جن کے نور نظر اپنے وطن کے کام آتے ہیں۔ اللہ پاکستان کی حفاظت کرے اور ان عظیم بیٹوں کی قربانیوں سے جلنے والے چراغوں کی روشنی کو کم نہ ہونے دے۔

anwaar.raja@yahoo.com

COMMTECH
ADVERTISING

House # 359, Street # 27, Sector I-8/2, Islamabad
Tel: 051-4258047, 4258048, Fax: 051-4258280
commtechadv@gmail.com

COMMUNICATION
is the challenge that keeps us alive
COMMTECH
better Communication

PAK FAUJ TUJHAY SALAM

As the nation is celebrating the Defense Day.
DHA BAHAWALPUR stands by and fully support the heroes of Pakistan Army - The Real Heroes of Pakistan.

Pakistan Army We Salute You.

DHA
BAHAWALPUR
Ph: 062 111 111 518 www.dhabahawalpur.com

RGBLUE COMMUNICATIONS

شہیدانِ وفا

کیسے یہ لوگ ہیں کس دیس سے آئے ہیں یہاں
کہکشاؤں سے پرے ایک حسین وادی سے
جوق در جوق اتر آئے ہیں آفاق نشیں

....

کیسی مائیں ہیں جو یہ شیر جنم دیتی ہیں
کیسی آغوش محبت میں قوی پلتے ہیں
یہ وہ سورج ہیں جو اٹھے ہیں تب وتاب کے ساتھ
ایک دن کے ہیں مسافر انہیں جلدی ہے بہت
دیکھ لیں ان کو نظر بھر کے ابھی

....

سوئے مقتل یہ چلے جاتے ہیں اتراتے ہوئے
خاکِ خوںناب پہ پھرتے ہیں عجب شان کے ساتھ
خواہشِ رزمِ جہاں نور کا ہالہ بن کر
ان کے پیکر کو جلا دیتی ہے
پھول سے چہرے سنور اٹھے ہیں

خاک اور خون کا غازہ مل کر
چھوڑ جائیں گے چٹانوں پہ لہو رنگ نقوش
یہ شہیدان وفا صبح فردا کے امیں

....

کپکپاتے ہوئے لب آنکھیں اٹھیں سوئے فلک
مائیں تو مائیں ہیں چپکے چپکے
ٹوٹتی رہتی ہیں ریزہ ریزہ
جھکی جاتی ہے کمر بوجھ گراں مایہ لئے
نوجواں لاشے اٹھائے یہ بزرگان جری
اک وقار و تمکنت سے چلے آتے ہیں
کون دیتا ہے انہیں صبر، یہ ہمت‘ یہ یقیں

....

آیئے ہاتھ اٹھائیں انہیں رخصت کر لیں
منتظر کب سے ہیں جبریلؑ سرِ خلدِ بریں

میجر جنرل (ر) محمد جاوید

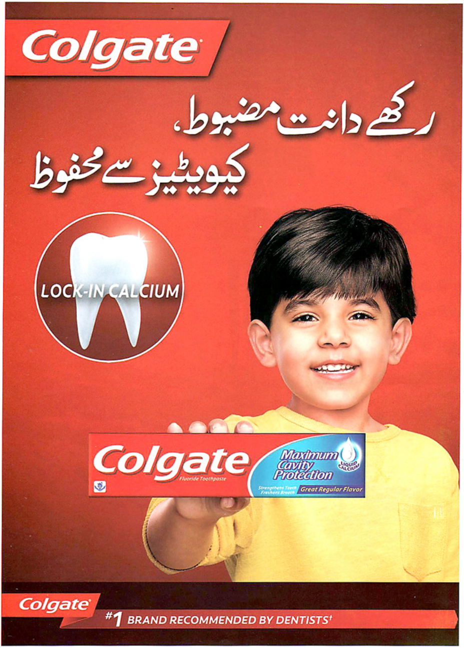
Colgate
رکھے دانت مضبوط،
کیویٹیز سے محفوظ
LOCK-IN CALCIUM
Colgate
Fluoride Toothpaste
Maximum Cavity Protection
LIQUID CALCIUM
Great Regular Flavor
Colgate
#1 BRAND RECOMMENDED BY DENTISTS†

State Life gives 97.5% of its actuarial surplus as Bonus to with-profit policy holders every year

Every State Life policy brings financial security, acts as a profitable investment and provides economic prosperity, guaranteed by the Government of Pakistan. State Life gives the highest percentage of Bonus payout across Pakistan's life insurance industry, which increases manifold, year after year, which is why it is the choice of every intelligent Pakistani. The Bonus amount has been deposited in the policies of all with-profit Policy holders.

The only Insurance Corporation in Pakistan with a 'AAA' Rating

STATE LIFE
INSURANCE CORPORATION OF PAKISTAN

Pay your premium and enjoy a rebate on your income tax returns.

For further details, visit our nearest Area or Zonal Office, or visit our website www.statelife.com.pk

State Life's Life Insurance Policies are available at all branches of National Bank of Pakistan, United Bank Limited, First Women Bank Limited, Bank Alfalah, Samba Bank and NIB Bank.

SPECTRUM | Y&R

راہِ حق کے مسافر

گوجرانوالہ کے قریب ٹرین حادثے میں جامِ شہادت نوش کرنے والے ''ٹائیگرز آف کے کے ایچ'' کا احوال

یہ وُہ لمحہ تھا جب پانی مُجھ پر غالب آ چُکا تھا اب میں نے گُھپ اندھیرے میں ایک آخری کوشش کے طور پر پھنسے ہُوئے دروازے کی سمت ہاتھ بڑھا کر زور لگایا. میرا تھوڑا سا بازو جیسے دروازے کے معمولی سے خلا میں اٹک گیا. میرے کانوں میں پانی کی آواز یں سُنائی دے رہی تھیں. دروازے کا خلا بالکل ہی ناکافی تھا اور مُجھے اس کا ادراک تھا. بس اب کُچھ نہیں ہو سکتا تھا. گھپ اندھیرے اور یخ بستہ پانی میں میری سانسیں اب جواب دے رہی تھیں. میں نے جدوجہد ترک کر دی . سانس لینے کی توانائی بھی ختم ہو گئی تھی. میں موت کا انتظار کرنے لگا. چند ہی ثانیوں میں مُجھے احساس ہوا کہ زِندگی اتنی آسانی سے نہیں چھوڑی جا سکتی . میں نے آخری بار ایک بھر پُور کوشش کرنے کا سوچا اور خود کو دروازے کے معمولی سے خلا کی طرف دھکیلنے لگا. ■

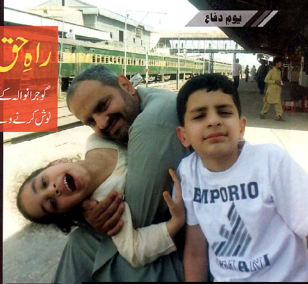

شہید لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون اپنے شہید بچوں سیف اللہ جدون اور بیٹی فاطمہ جدون کے ساتھ آخری سفر کے دوران ایک ریلوے سٹیشن پر

تحریر: لیفٹیننٹ کرنل عارف محمود

منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوتے ہی ہدف کے تعاقب میں ایک آفیسر، تین جونیئر کمیشنڈ آفیسرز اور 32 جوانوں کی شہادت کا نذرانہ پیش کرنے والی یونٹ ''ٹائیگرز آف کے کے ایچ'' آج ایک نئے سفر پر روانہ ہو چکی تھی۔ پنوں عاقل سے کھاریاں کی طرف عازمِ سفر ہوتے ہوئے ہر آفیسر، جے سی او اور سولجر کا جوش و ولولہ دیدنی تھا۔ کھاریاں میں اِنہیں دراصل ایک ایسے ڈویژن کا حصہ بننا تھا جو پہلے ہی سوات میں اِنسانیت کی خِدمت میں پیش پیش اور دہشت گردوں کے لئے پیغامِ اجل تھا۔ دراصل ''ٹائیگرز آف کے کے ایچ'' کی روایات اور تاریخ بھی قربانیوں اور خِدمتِ مُلک و مِلت سے بھری پڑی تھی۔ 48 برس قبل 15 مارچ 1966ء کو جب یہ بٹالین روڈ کنسٹرکشن بٹالین کے نام سے رسالپور میں معرضِ وجود میں آئی تو اس نے اپنے پہلے مشن میں ہی 'کومیل' سے 'چلاس' تک ایک دُشوار گزار اور پُر خطر پہاڑی سلسلے کا سینہ چیر کر شاہراہِ قراقرم کے مُشکل ترین حصے کی تعمیر کا سہرا اپنے سر باندھا۔ اس مشن کی تکمیل میں اِسے آفیسرز اور جوانوں کی انمول جانیں بھی نچھاور کرنا پڑیں۔

2015ء کے آغاز میں پنوں عاقل میں یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون (شہید) کو جب یونٹ کے اگلے سٹیشن کھاریاں اور پھر سوات میں تعیناتی کا پتہ چلا تو اُنہوں نے اس خبر کو اپنی سپاہ تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اِن کی توقع کے عین مطابق یہ نوید 'ٹائیگرز آف کے کے ایچ' کے لئے مژدۂ جان فزا سے کم نہ تھی۔ انہوں نے یہ خبر قبل از وقت اس لئے عام کی تھی کہ پنوں عاقل اور مضافات کی گرمی اور لُو سے ستائے ہُوئے جوانوں کے چہروں پر کُچھ رونق آ جائے۔

وہ دراصل اپنے سولجرز کے دلوں پر راج کرتے تھے اور اُن کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور دُکھ درد کی پروا کرتے تھے۔ لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون کا تعلق ایک فوجی گھرانے سے

تھا۔ ان کے والد بھی ایک لیفٹیننٹ کرنل تھے اور 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے۔ جبکہ دو بھائی تا حال پاک فوج میں ہیں اور ایک بھائی پاکستان فضائیہ میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ گزشتہ ایک سال کے دوران والدین کے یکے بعد دیگرے اس جہانِ فانی کو الوداع کہنے کے بعد لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون کی شخصیت میں ایک بڑی تبدیلی آئی تھی۔ ان میں اب نہ صرف اپنے اہلِ خانہ اور بہن بھائیوں کے لئے ایک مخصوص شفقتِ پدری اور احساسِ ذمہ داری میں اضافہ ہوا تھا بلکہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور زیرِ کمان سپاہ کے ساتھ ایک خاص جذباتی لگاؤ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ وہ جب یونٹ میں ہوتے تو اپنی اہلیہ سمیت جوانوں کی چھوٹی چھوٹی ضروریات اور مسائل کے بارے میں فکرمند رہتے اور حل کرتے۔

پنوں عاقل سے روانہ ہوتے ہوئے جنرل آفیسر کمانڈنگ عارف حُسین وڑائچ نے نہ صرف یونٹ کے پانچ سالہ قیام کو سراہا بلکہ اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر انتظامی طور پر ضروری نہ ہوتا تو وہ اس یونٹ کو ہمیشہ اپنے ہی زیرِ کمان رکھنا پسند کرتے۔ جی او سی

16 فروری 1987ء کو ضلع منڈی بہاؤالدین کے ایک گاؤں چک نمبر 25 میں پیدا ہوئے تھے۔ 3 سال کی عمر میں والدین کے ساتھ لاہور منتقل ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال لاہور سے حاصل کی۔ جبکہ 2004ء میں گورنمنٹ کالج آف سائنس سے ایف ایس سی (پری انجینئرنگ) کیا اور UET لاہور میں کمپیوٹر سائنس انجینئرنگ میں داخلہ لے لیا۔ ابھی وہ پہلے سمسٹر میں ہی تھے کہ مُنتخب ہو کر مئی 2005ء میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول چلے گئے۔ 15 اپریل 2007ء کو کمیشن حاصل کرتے ہی وزیرستان میں تعینات ہوئے۔ 3 سال بعد وانا (وزیرستان) سے بطور ایک غازی کے سُرخرو لوٹے اس کے بعد اُن کو 'ٹائیگر آف کے کے ایچ' میں خدمات کا موقع ملا تھا۔ اس دوران انہوں نے رسالپور جا کر اپنی 4 سالہ ڈگری بھی مکمل کی اور اس طرح ایک تجربہ کار اور کوالیفائیڈ فیلڈ آفیسر کے طور پر "ٹائیگر آف کے کے ایچ" کی ٹیم کا حصہ بنے۔

کرنل عامر کی ٹیم کے ایک اور رُکن کیپٹن کاشف ارشاد گورایہ (شہید) بھی پیدائشی

میجر جنرل عارف حُسین وڑائچ نے یونٹ کی پنوں عاقل سے روانگی سے قبل اپنے خطاب میں 'ٹائیگرز آف کے کے ایچ' کے کارناموں کو دُہراتے ہُوئے بھرپُور خراجِ تحسین پیش کیا۔

اسی دوران یونٹ کی کھاریاں روانگی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ یونٹ کے سبھی آفیسرز، جونیئر کمیشنڈ آفیسرز اور سولجرز بڑھ چڑھ کر روانگی کے معاملات نبھانے میں مصروف تھے۔ یونٹ کے خصوصی امور کے ماہر کمانڈنگ آفیسر کے دستِ راست صوبیدار میجر محمد اسلام خان (شہید) کوہاٹ کے رہنے والے ایک منجھے ہوئے ایس ایم تھے جو 27 اکتوبر 1981ء سے انجینئر کور میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ یونٹ میں اُن کا 33 سالہ سفر بطور ایک مثالی سولجر اور حلیم و بُردبار انسان، ہر سینئر اور جونیئر کی زبان پر تھا۔ جبکہ آفیسرز کی ٹیم میں میجر محمد عادل شریف (شہید) منڈی بہاؤالدین کے رہنے والے اور وانا (وزیرستان) کے غازی تھے۔ جہاں انہوں نے تین سال تک دہشت گردوں کی سرکوبی میں شجاعت کی ایک سنہری تاریخ رقم کی تھی۔ میجر عادل

فوجی تھے۔ ان کے والد میجر (ریٹائرڈ) ارشاد علی گورایہ ایک منجھے ہُوئے توپچی تھے اور بھائی میجر عامر گورایہ تا حال پاک فوج میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ 14 جنوری 1988ء کو کوہاٹ میں پیدا ہونے والے کیپٹن کاشف (شہید) نے 2010ء میں رسالپور سے بطور سول انجینئر اپنی تعلیم مکمل کی اور بطور کیپٹن پاک فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ "ٹائیگرز آف کے کے ایچ" میں کیپٹن کاشف ارشاد ایک ملنسار اور محنتی آفیسر کے طور پر جانے جاتے تھے۔ پنوں عاقل سے کھاریاں کی طرف عازمِ سفر ہونے والی ریل گاڑی پر سوار ایک اور نوجوان لیفٹیننٹ محمد عباس (شہید) بھی ایک فوجی گھرانے کے آفیسر تھے جو بچپن سے ہی شہادت کی دعائیں کیا کرتے۔ دراصل اُن کے خالہ زاد بھائی کیپٹن نصراللہ شہید پہلے ہی سیاچن میں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے اور اُن کی تصویر دیکھ کر لیفٹیننٹ محمد عباس کا شوقِ شہادت پروان چڑھتا رہتا تھا۔ لیفٹیننٹ عباس کا تعلق ضلع خوشاب کے موضع مردوال سے تھا اور انہوں نے 18 اکتوبر 2014ء کو "ٹائیگرز آف کے کے ایچ" میں کمیشن حاصل کیا۔ یہ یونٹ ان کے

والد نائب صوبیدار (ریٹائرڈ) اختر حُسین کی تھی۔ ان کے دوسرے بھائی میجر طارق بھی پہلے ہی پاک فوج میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ جبکہ ایک اور بھائی آرمی میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کر رہے تھے۔ یہ ایک دینی گھرانہ تھا اس لئے لیفٹیننٹ عباس بھی اکثر ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اس قافلے کی تیاریوں کے رُوحِ رواں لیفٹیننٹ مدثر حسن بطور کوارٹر ماسٹر فرائض انجام دے رہے تھے جبکہ لیفٹیننٹ سید کاشف حسین شاہ کاظمی کے پاس ایک کمپنی کی کمان تھی۔

بھرپور تیاریوں اور الوداعی تقریبات کے بعد پوری بٹالین ریل پر سوار ہُوئی تو سولجرز میں سے 29 جوانوں اور جے سی اوز کے اہلِ خانہ کو بھی خصوصی بوگی میں جگہ دی گئی۔ کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون کی اہلیہ نے جب دیکھا کہ بٹالین کے سولجرز کی بیویاں اور بچے اسی ٹرین پر سفر کر رہے ہیں تو انہوں نے بھی فیصلہ کیا کہ وہ بچوں سمیت اُن کی ہم سفر بنیں گی۔ یہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ اُن کی اپنی کار جس میں ایئر کنڈیشن کی سہولت بھی میسر تھی، وہ بھی بذریعہ سڑک کھاریاں جارہی تھی اور بڑے آرام سے اس میں سفر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اپنے اسلاف کی روایات کی پاسدار تہمینہ جدون (شہید) کا فیصلہ اُن کی قائدانہ فہم و فراست اور ایثار کا آئینہ دار تھا۔ وُہ اپنے پُھول جیسے نازک بچوں سمیت شدید گرمی میں اپنے سولجرز کے ہمراہ ٹرین پر عازم سفر ہُوئیں۔ دس سالہ معصوم سیف اللہ جدون (شہید) اور جان سے پیاری پانچ سالہ بیٹی فاطمہ جدون (شہید) بھی اِن کے ہمراہ تھی۔ کمانڈنگ آفیسر کی اہلیہ دراصل اپنے سولجرز کی فیمیلیز کو بھی اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھتی تھیں۔ وہ باقاعدگی سے اُن سے ملاقاتیں کرتیں، اُن کے حال و احوال پُوچھتیں اور حتی الوسع اُن کے مسائل کو حل کرانے کی سعی کرتیں۔

ٹرین میں مُسافروں کے لئے کُل چھ بوگیاں تھیں جبکہ 21 ویگنیں سامان والی تھیں۔ اِنجن کے فوراً پیچھے آفیسرز کا سلیپر تھا، جس میں چھ کیبن بنے ہُوئے تھے، اِن میں سے آگے سے پہلا کیبن صوبیدار میجر اسلام کو دِیا گیا تھا جبکہ دوسرے میں کیپٹن کاشف اور لیفٹیننٹ کاشف کاظمی سوار تھے۔ تیسرے کیبن میں لیفٹیننٹ سید عباس اور چوتھا کیبن بطور آفیسرز میس یا کامن روم خالی رکھا گیا تھا۔ پانچویں کیبن میں میجر عادل شریف اور لیفٹیننٹ مدثر حسن تھے۔ چھٹا کیبن کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون اور ان کی فیملی کے پاس تھا۔ یونٹ کے انتظامی امور کے انچارج لیفٹیننٹ مدثر نے کمانڈنگ آفیسر کے کیبن کو آرام دہ بنانے کی اپنی سی کوشش کی۔ سیٹوں پر صاف سُتھری چادریں اور تکیے رکھوائے اور بچوں کے لئے ہلکی پھلکی اشیائے خورد و نوش کا اہتمام کیا۔ یہ بچے دراصل یونٹ کے سبھی افسروں کی آنکھ کا تارا تھے۔ ننھی فاطمہ جدون اکثر اپنے پاپا کی یونیفارم پہن لیتی تو یوں لگتا جیسے کسی کیموفلاج مورچے میں بیٹھی ہو اور کبھی وہ بابا کی نیلی ٹوپی اور چھڑی اُٹھا کر اپنے بھائی سیف اللہ جدون کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی دکھائی دیتی۔ لیفٹیننٹ مدثر بتاتے ہیں کہ ان بچوں کو بطخوں اور خرگوشوں سے کھیلنے میں بڑا مزا آتا۔ اگلا کیبن لیفٹیننٹ مدثر حسن کا تھا جو یونٹ کے کوارٹر ماسٹر (انتظامی اُمور کے ذمہ دار) اور پہلے دن کے لئے ٹرین کے ڈیوٹی آفیسر بھی تھے۔ بے شمار انتظامی و انضباطی امور کے بعد بالآخر ٹرین پنوں عاقل سے روانہ ہُوئی۔

یکم جولائی کی سحر 3 بجے کا وقت تھا جب سانگی سٹیشن کے پاس ایک پڑاؤ کے بعد گاڑی روانہ ہُوئی۔ گرمی اپنے جوبن پر تھی۔ روزے داروں نے اندھیرے میں جیسے تیسے اپنی سحری کھائی اور روزہ رکھ لیا۔ اگلی صبح ایک بجے گاڑی سمہ سٹہ پہنچی تو میجر عادل اور لیفٹیننٹ کاشف کاظمی سٹیشن ماسٹر اور مکینک کی تلاش میں نکلے۔ مکینک نے جنریٹر کے کچھ پرزے نئے لینے کا مطالبہ کیا تو یونٹ نے نئے پُرزے بھی مہیا کر دیئے لیکن ٹرین میں بجلی آنی تھی نہ آئی۔ البتہ جب گاڑی وسطی پنجاب میں داخل ہُوئی تو بارانِ رحمت برس پڑی اور موسم کافی خوشگوار ہو گیا۔ پروگرام کے مطابق گاڑی کو رات 11 بجے تک فیصل آباد پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن غیر ضروری تاخیر اور سُست روی کے باعث یہ خصُوصی ملٹری ٹرین رات 3 - 2 بجے کے درمیان فیصل آباد پہنچی۔

2 جولائی کی صُبح یہ ریل بستی حافظ آباد میں مختصر سے قیام کے بعد ایک بار پھر روانہ ہوئی۔ یہ کوئی ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ ٹرین نے ایک اور گاڑی کو کراسنگ دی اور تقریباً 40 سے 45 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے فراٹے بھرنے لگی۔

اگلے چند گھنٹوں میں گاڑی نے کھاریاں کے پاس ہونا تھا۔ مسلسل کئی دن اور راتوں کے جاگے ہُوئے آفیسرز اپنے اگلے سٹیشن پر موجود استقبالیہ یونٹ کے آفیسرز سے رابطے میں تھے، مسلسل رت جگوں، گرمی اور تھکاوٹ کے ستائے آفیسرز یہاں تک یقین دہانی کرواتے کہ انہیں کھاریاں پہنچنے پر ''اچھا سا ٹھنڈی مشین والا'' کمرا ہی مِل رہا ہے نا؟ تاکہ وہ جی بھر کر سو سکیں۔ یکا یک کھڑکی سے باہر دُھول کا ایک غیر معمولی جھونکا محسوس ہُوا۔ سامنے بیٹھے ہُوئے لیفٹیننٹ عباس نے تجویز کیا کہ مٹی سے بچنے کے لئے کھڑکی بند کر دیتے ہیں لیکن لیفٹیننٹ مدثر نے کہا کہ یہ مٹی اندر تو آ نہیں رہی اس لئے کھڑکی بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ دُوسرے ہی لمحے مٹی اور دُھول کا یہ جھونکا طوفان کے ایک زور آور بگولے کی طرح کیبن کے اندر پہنچ گیا اور آناً فاناً ٹرین کے آہنی پہیوں اور پٹڑی کے مابین رگڑ کی ایک خوفناک چیخ سُنائی دی جیسے ریل گاڑی کو روکنے کے لئے بریکوں کو پُوری قوت سے استعمال کیا جا رہا ہو، ساتھ ہی ایک جھٹکا لگا جس نے انسان اور سامان بلا اِمتیاز ہر کیبن میں اِدھر سے اُدھر پٹخ دیئے۔ نوجوان آفیسر لیفٹیننٹ محمد عباس جو ہر وقت ذِکرِ الٰہی میں مصرُوف رہنے کے حوالے سے جانے جاتے تھے، با آواز بلند کلمہ طیبہ کا وِرد کرنے لگے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ریل گاڑی کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ اب کیبن کی ہر چیز جیسے چھت کی طرف اُڑنے لگی اور ساتھ ہی ٹرین ایک زوردار جھٹکے سے ساکت ہوگئی۔ لیفٹیننٹ مدثر اس جھٹکے سے شاید نیم بے ہوشی میں چلے گئے تھے۔ لیفٹیننٹ مدثر کو اس منظر کے بعد اگلا احساس ٹھنڈے پانی کے چھونے کا ہُوا۔ پانی تیزی سے کیبن میں بھرنے لگا تھا جو اِن کے لاشعور نے اِنہیں محسوس کرا دیا۔ ''ہمیں فوراً اس پانی سے باہر نکلنا ہوگا'' مدثر نے سوچا اور جلدی سے لیفٹیننٹ عباس کو کندھے سے پکڑ کر کیبن کے سامنے والی گیلری کی طرف بڑھنے لگے۔ فرش اب غیر ہموار اور ٹوٹا ہوا تھا اور نقل و حرکت آسان نہ تھی۔ لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون کے بچوں کی چیخ و پکار لیفٹیننٹ مدثر کے کانوں میں واضح سنائی دے رہی تھی۔ قریب سے ہی میجر عادل شریف اور کیپٹن کاشف گورایہ تیزی سے گزرتے دِکھائی دیئے۔ کیپٹن کاشف چیخ چیخ کر سب کو باہر نکلنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ خود دونوں آفیسرز جلدی سے آگے بڑھے اور اپنے کمانڈنگ آفیسر کے کیبن کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ دروازہ بُری طرح پھنس چکا تھا۔ لیفٹیننٹ مدثر بھی

کمانڈنگ آفیسر کے دروازے تک پہنچ چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور آفیسر بھی پہنچا، دونوں نے مِل کر زور آزمائی شروع کر دی۔ اس دروازے میں کوئی دو انچ کا خلاء پیدا ہو چکا تھا لیکن اس کے بعد بُری طرح پھنس چکا تھا۔ اندرونی طرف سے کرنل عامر جدون بھی پُوری قوت سے دروازہ کھولنے کی سعی کرتے رہے لیکن دروازے نے کھلنا تھا نہ کھلا۔ کرنل عامر جدون کے پسِ منظر میں اُن کے اہلِ خانہ بے یارو مددگار دِکھائی دے رہے تھے۔ پانی تیزی سے کیبن میں بھرتا جا رہا تھا اور پھر اچانک پانی کا ایک اور ریلا آیا اور کیبن کی چھت تک پہنچ گیا۔ اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس پانی میں اِنجن کا ڈیزل بھی مِلا ہُوا تھا۔ ہر طرف گُھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ لیفٹیننٹ مُدثر کو پانی نے فرش سے اُٹھایا اور چھت سے جا لگایا۔ لیفٹیننٹ مُدثر کو بے رحم پانی کے اندر معصوم سیف اللہ جدون اور فاطمہ جدون بھی کیبن کی چھت کی طرف بلند ہوتے دِکھائی دیئے۔ ادھر لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون دروازے سے پیچھے پلٹتے دِکھائی دیئے۔ دُوسرے آفیسرز بھی پانی کے سامنے تقریباً بے بس ہو چُکے تھے۔ لیفٹیننٹ مدثر کہتے ہیں۔ ''یہ وُہ لمحہ تھا جب پانی مُجھ پر غالب آ چکا تھا اب میں نے گُھپ اندھیرے میں ایک آخری کوشش کے طور پر پھنسے ہُوئے دروازے کی سمت ہاتھ بڑھا کر زور لگایا۔ میرا تھوڑا سا بازو جیسے دروازے کے معمولی سے خلا میں اٹک گیا۔ میرے کانوں میں پانی کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ دروازے کا خلا بالکل ہی ناکافی تھا اور مجھے اس کا ادراک تھا۔ بس اب کُچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ گہرے اندھیرے اور یخ بستہ پانی میں میری سانسیں اب جواب دے رہی تھیں۔ میں نے جدوجہد ترک کر دی۔ سانس لینے کی توانائی بھی ختم ہو گئی تھی۔ میں موت کا انتظار کرنے لگا۔ چند ہی ثانیوں میں مجھے احساس ہوا کہ زِندگی اتنی آسانی سے نہیں چھوڑی جا سکتی۔ میں نے آخری بار ایک بھرپُور کوشش کرنے کا سوچا اور خود کو دروازے کے معمولی سے خلا کی طرف دھکیلنے لگا۔ جلد ہی میرا کندھا اور پھر پورا بازو باہر نکل گیا اور پھر میرا اُوپر کا دھڑ باہر نکل آیا۔ اب میں نے اپنے دونوں بازوؤں سے بھرپُور زور لگایا اور آزاد ہو گیا، میں اُٹھا۔ روشنی کی ایک لکیر سی اندھیرے کو چیرتی ہُوئی اندر داخل ہو رہی تھی۔ جلد ہی میں سطح پر اُبھر چکا تھا۔ روشنی اور آوازیں! میں بھی چِلایا، اندر بچے ہیں کوئی مدد کرو، کوئی بچاؤ۔ یہ ریل کی چھت تھی۔ اسی چھت پر مجھے لیفٹیننٹ کاشف دکھائی دیئے''۔

لیفٹیننٹ کاشف کاظمی چھ فُٹ 3 انچ کے ایک دراز قد نوجوان آفیسر ہیں جو اپنی درازی قد پر سب سے زیادہ اللہ کا شُکر اس وقت بجا لائے جب پانی دُوسروں کے سروں سے تو گزر چکا تھا لیکن لیفٹیننٹ کاشف کاظمی کی ٹھوڑی تک پہنچ کر بے بس ہو گیا تھا۔ جب ٹرین پٹڑی سے اُتر کر چنگھاڑتے ہُوئے پُل کے ایک دیو قامت ستون سے ٹکرائی تو اُس وقت لیفٹیننٹ کاظمی کیپٹن کاشف کی زبانی زندگی کے دِلچسپ واقعات سُن سُن کر قہقہے لگا رہے تھے۔ دِل دہلا دینے والی آواز اور جھٹکے نے دونوں آفیسرز کو روئی کے گالوں کی طرح سیٹوں سے اُٹھا کر سامنے کی دیوار پر پٹخا۔ اب ٹرین کی یہ بوگی جیسے ایک لمحے کے لئے فضا میں معلق ہو گئی تھی۔ یہ سب کُچھ چند لمحوں میں ہو چکا تھا' کسی کے پاس ردِعمل کا وقت ہی نہ تھا۔ کیپٹن کاشف اور لیفٹیننٹ کاظمی کے اوسان ابھی تک بحال تھے۔ دونوں آفیسرز تیزی سے اُٹھے اور کیبن سے باہر گیلری کی طرف دوڑے۔ انہیں بھی کمانڈنگ آفیسر کے زور زور سے پُکارتے ہوئے بچوں کی آہ و پُکار سنائی دی۔

دونوں آفیسرز نے جلدی سے سارے کیبن چیک کئے تو ایسے لگا کہ سب لوگ پہلے ہی باہر نکل چکے تھے۔ البتہ کمانڈنگ آفیسر اور اُن کے اہلِ خانہ ابھی تک اندر ہی تھے۔ چاروں اطراف سے کیبن میں پانی بھر رہا تھا۔ میجر عادل پہلے ہی گیلری میں تھے۔ سبھی آفیسرز نے مِل کر کوشش کی لیکن کمانڈنگ آفیسر کا کیبن کھولنے میں ناکام رہے۔ جب پانی چھت تک پہنچ گیا اور مکمل اندھیرا چھا گیا تو ایسے میں لیفٹیننٹ کاظمی کہتے ہیں۔

''میں اس احساس کو بیان نہیں کر سکتا کہ جب ہم خود کو مکمل طور پر بے یارو مددگار محسوس کر رہے تھے۔ موت یقینی تھی، میں گیلری کے اطراف میں مُڑا، میرے خیال میں وہاں ایک کھڑکی ہونی چاہئے تھی۔ ذرا سا ٹٹولا تو کھڑکی پر پڑے شٹر کے لاک پر ہاتھ پڑ گیا۔ دو تین کوششوں میں شٹر کُھل گیا۔ میں پہلے ہی 15 سیکنڈ سے سانس روکے ہُوئے تھا۔ میں نے جلدی سے اپنا سر اُس کھڑکی سے باہر نکالا اور آہستہ آہستہ اُوپر کی طرف جانے لگا، جلد ہی میں سانس لے سکتا تھا۔ میں جلدی سے بوگی کی چھت پر پہنچ چکا تھا' جو آہستہ آہستہ خود ڈوبنے والی تھی۔ اس طرح میں پانی سے باہر آنے والا پہلا آفیسر تھا۔ باہر آتے ہی میں نے چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو بتانے کی کوشش کی کہ یہ کھڑکی کُھلی ہے اور اس سے باہر آنے کی کوشش کریں لیکن بے سُود۔ کوئی ایک آدھ منٹ ہی گزرا تھا کہ اچانک لیفٹیننٹ مدثر بھی پانی سے نمودار ہُوئے، میں نے فوراً انہیں چھت کے اوپر کھینچ لیا۔ وہ مسلسل حواس باختہ انداز میں چلا رہے تھے کہ ''اندر بچے ہیں کوئی مدد کرو، کوئی بچا لو''۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو سپر ذیشان ملحقہ بوگی کی کھڑکی سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا، جو ہوا میں معلق تھی۔ وہ سمارٹ تھا لیکن اس کی بیلٹ آڑے آ رہی تھی میں نے اُسے بیلٹ اُتارنے کا مشورہ دیا اور پکڑ کا کھینچ لیا۔ اسی طرح ہم دو تین اور لوگوں کو بھی بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ دراصل اِس بوگی کی کھڑکیوں پر لوہے کی سلاخیں تھیں اور کسی آدمی کا گزرنا ممکن نہ تھا۔ اب ہم نے پانی میں تیرتے ہُوئے لکڑی کے ایک مضبوط اور بھاری ٹکڑے کو اُٹھایا اور اس کی مدد سے کھڑکیوں کی سلاخیں توڑنے لگے۔ یُوں متعدد لوگ باہر نکل آئے جنہیں ہم نے ایک اور لکڑی کو بطور پُل استعمال کرتے ہُوئے محفوظ بوگی کی چھت پر منتقل کر لیا۔''

لیفٹیننٹ کاشف کاظمی اور لیفٹیننٹ مدثر حسن اگرچہ خود موت کے مُنہ سے بال بال بچے تھے لیکن اب وقت لٹے پٹے قافلے کو سنبھالنے کا تھا۔ دونوں نوجوان آفیسرز کے اندر جیسے نہایت سنجیدہ اور ذمہ دار رُوحیں عود کر آئی تھیں۔ انہیں یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی تھی کہ یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر اور دیگر سینئیر آفیسرز کے بچنے کی اب کوئی اُمید نہیں تھی اور وہ جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون نے شہادت کا یہ رُتبہ اپنی اہلیہ تہمینہ جدون، ننھے مُنے بچوں سیف اللہ جدون اور فاطمہ جدون سمیت پایا تھا۔ یقیناً یہ ان کے اللہ کے ہاں عظیم مرتبے کا ثبوت تھا۔ اُن کی انسانیت سے ہمدردی کا یہ عالم کہ ایک بار مری میں تعیناتی کے دوران رات 9 بجے دفتر سے واپس آتے ہُوئے ایک بُوڑھی عورت نے بس سٹاپ تک لفٹ مانگی تو اُسے لے کر بس سٹاپ چل پڑے۔ جب بس سٹاپ پر گاڑی نہ مِلی تو بُوڑھی عورت کی مجبوری اور بے بسی دیکھتے ہُوئے اپنی دِن بھر کی تھکاوٹ کی پروا کئے بغیر مری سے راولپنڈی چل پڑے اور خاتون کو راولپنڈی پہنچا کر دم لیا۔ جوانی میں جب کیپٹن تھے تو دریائے سندھ کے بہاؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے چھلانگ لگا کر ایک ڈُوبتے ہوئے پولیس والے کو بچا

ٹرین حادثے میں شہید ہونے والے لیفٹیننٹ کرنل عامر جدون کی اپنے اہل خانہ کے ہمراہ ایک یادگار تصویر

لیا۔ اللہ نے انہیں ماں باپ کے ساتھ حج کا موقع دیا تو ایک طرف بیمار والد اور دُوسری طرف والدہ کی دیکھ بھال کا اعزاز مِلا حالانکہ دونوں کے حرم جانے کے اوقات بھی مُختلف تھے۔ آفیسرز میں دوسرے نمبر پر میجر عادل شریف شہید تھے جو اپنی ایک سالہ بیٹی عسال عادل کی جان تھے۔ اُن کے ایک بھائی لیفٹیننٹ کمانڈر محمد عامر شریف پاکستان بحریہ میں خدمات میں خِدمات انجام دے رہے ہیں۔ ''ٹائیگرز آف کے کے ایچ'' کے تیسرے آفیسر جنہوں نے جامِ شہادت نوش کیا وہ کیپٹن کاشف تھے۔

کیپٹن کاشف ایک زندہ دِل انسان، ہنس مکھ آفیسر اور خوب صورت نوجوان تھے۔ اِن کے والد میجر (ریٹائرڈ) ارشاد علی گورایہ کا تعلق بھی پاک فوج سے ہے جبکہ ان کے ایک بھائی میجر طارق تاحال پاک فوج میں خِدمات انجام دے رہے ہیں۔ کیپٹن کاشف کے اہلِ خانہ کے لئے ان کی شہادت کی خبر ناقابلِ یقین تھی۔ ان کی بہن ڈاکٹر ماہم گورایہ سے جب ہم نے تاثرات پُوچھے تو یُوں گویا ہوئیں۔

''میرا بھائی میرے لئے کیا تھا اور کیسا تھا اس کا اظہار میرے بس میں نہیں۔ تو پھر جس بات کو نہ جُملوں میں ڈھالا جا سکے نہ نثر میں قید کیا جا سکے تو اِس پر میں کیا کہوں؟ 2 جولائی 2015ء میرے اور میرے گھر والوں کے لئے کڑے امتحان کا دِن تھا۔ 28 سال تک محبت، پیار اور مُسکراہٹیں بانٹنے والا میرا بھائی کیپٹن کاشف اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر چکا تھا۔ الرحمٰن نے اپنا فیصلہ سُنا دِیا تھا اور وہ ہم سے عبادالرحمٰن بننے کا تقاضا کر رہا تھا۔ یہ خیال کہ کاشف سے یہ مُلاقات درحقیقت اپنے بھائی سے میری آخری مُلاقات ہے مجھے نڈھال کر رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ حزن وملال میرے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ تصویرِ زندگی سے رنگ مدھم ہو رہے تھے۔ گوجرانوالہ کینٹ کی وہ گلیاں اور سڑکیں جو ہم بہن بھائیوں کے قہقہوں سے گونجا کرتی تھیں' آج مجھے میرے بھائی کی شہادت کی خبر دے رہی تھیں۔ بحیثیت ڈاکٹر سب کُچھ جان اور سمجھ لینے کے باوجود میں نے بار بار یہ سوال دُہرایا 'کیا کُچھ نہیں ہو سکتا'۔ پھر میری آنکھوں نے وہ منظر بھی دیکھا کہ سفید چادر تلے چُھپا ایک جسدِ خاکی ہے اور اس کے ساتھ کیپٹن کاشف کے الفاظ رقم ہیں۔ دِل نے پھر ربُ العالمین سے اِلتجا کی کہ یہ میرا بھائی، میری متاعِ جان نہ ہو، پھر چادر ہٹائی گئی تو ہر چیز ساکت و جامد ہوگئی۔ وقت جیسے تھم گیا اور حقیقت درحقیقت مجھ پر عیاں ہوتی رہی۔ عزت، احترام، تکریم کے معنی پہلی بار مجھ پر واضح ہُوئے۔ میں نے آگے بڑھ کر اللہ کے اِس مہمان کا ہاتھ چُوم لیا۔ اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا، میری زبان نے کاشی، کاشی کی صدا دی، میں نے اللہ کے اس سپاہی کے ماتھے کو بوسہ دِیا۔ اپنی رضا اور خوشی کا اظہار کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کو بتا سکوں کہ تیرے چند دِل گرفتہ بندوں نے اپنی سب سے پیاری چیز تیری امانت سمجھ کر تیری طرف اس طرح لوٹائی ہے کہ ان کی آنکھیں اُس جُدائی پر اشک بار ہیں مگر اِن کے دل تیری مشیت پر مسرور ہیں۔ وہ تجھ سے راضی ہیں، تیرے انعام پر شاداں و فرحاں ہیں، تیری رحمت کے منتظر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس امانت کو میں نے چوما اور بار بار چوما، چاہا کہ اس کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے نقش ونگار ذہن نشین کر لوں۔ وقفے وقفے سے میرے بھائی میجر طارق کی آواز بھی کانوں میں پڑتی رہی کہ ''اللہ تعالیٰ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے جنت الفِردوس میں اپنے بھائی سے ملانا''۔ پھر میں اپنے والد اور والدہ سے مِلی، اُنہوں نے مجھے دِلاسہ دیا نہ میں نے اُنہیں۔ بس آنسوؤں کو بہنے دِیا، کیونکہ جانے والا ایسا تھا کہ اس کے جانے پر آنسو بہائے جائیں، وہ کہ جو ہم بہن، بھائیوں میں سب پر سبقت لے گیا اور جس شہادت کی تمنا اور خواہش ہم دِلوں میں لئے پھرتے رہے، جس خوبی اور لذّت کے قصے ہم سکول و کالج میں سٹیج پر بیان کرتے رہے وہ اس عظیم مرتبے کو پہنچ کر حیاتِ جاوداں حاصل کر گیا۔ ڈاکٹر ماہم گورایہ اپنے بھائی کی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے مزید بتاتی ہیں: ''گرمیوں کی ایک دوپہر، میں اور بھائی سکول سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں سڑک کے کنارے ایک بھکاری بیٹھا ہُوا تھا۔ ہم اپنی خوش گپیوں میں مگن اس سے گزر کر کچھ آگے نکلے تو بھکاری نے کہا کہ اللہ کے نام پر کچھ دے جاؤ۔ کاشف بھائی پیچھے مُڑے اور کُچھ پیسے اسے دے کر آئے۔ پھر مجھ سے کہا کہ جب بھی کوئی اللہ کے نام پر مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں ضرور اِسے کُچھ دیتا ہُوں۔ یہ غالباً اس زمانے کی بات ہے جب بھائی آٹھویں جماعت میں اور میں غالباً تیسری جماعت میں پڑھتی تھی۔ لیکن بھائی کی سکھائی گئی یہ بات سالوں بعد بھی میرے ساتھ ہے اور چودہ پندرہ سال کے اس لڑکے کی فراست مجھے آج بھی تعجب میں مبتلا کر دیتی ہے۔''

میں اکثر پڑھا کرتی تھی کہ خشیتِ الٰہی سے لوگوں کی آنکھیں جھک جاتی ہیں اور ان کے چہرے پر اس کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ لیکن اس کا عملی اظہار میں نے 28 فروری 2015ء کو تب دیکھا جب بھائی مجھے ہسپتال سے واپسی پر پک کرنے آئے۔ میری ایک دوست جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی سرجری کی وجہ سے ٹھیک سے چل نہیں سکتی اور چلنے کے لئے سپورٹ کا استعمال کرتی ہے، مجھے اچانک ملنے کے لئے آئی۔ میں نے بھائی سے ان کا تعارف کروانا چاہا تو دیکھا کہ بھائی کا چہرہ عاجزی اور انکساری سے سُرخ ہے اور ان کے ہونٹ اللہ سے دُعا کرتے ہُوئے ہل رہے ہیں۔ اللہ کے خوف سے مومن کا دِل کِس طرح نرم پڑتا ہے' میں نے اس دِن اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ واپسی پر بھائی برابر مجھے تلقین کرتے رہے کہ

میں اپنی دوست کا خاص طور خیال کروں اور ان کا حوصلہ بڑھاتی رہوں۔ یہاں تک کہ میں نے اپنی دوست کو میسیج کیا کہ مجھے لگتا ہے کہ وہ میرا نہیں آپ کا بھائی ہے۔ بھائی کی شہادت پر میری اس دوست نے مجھ سے کہا:

''میں ساری رات یہ سوچتی رہی کہ جولوگ سب سے مختلف ہوتے ہیں وہ اللہ تعالٰی کی خاص نظر میں ہوتے ہیں۔ بھائی کی شہادت کے بعد ایک خاتون ہمیں ملیں جو میرے چچا کے گھر کے پاس رہتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کا بیٹا چھت سے گر کر زخمی ہو گیا تھا' گھر پر اس وقت کوئی موجود نہ تھا، ان کے رونے اور چیخنے سے اِرد گرد سے لوگ جمع ہُوئے تو ان میں کاشف بھائی بھی تھے انہوں نے فوراً اس بچے کو گاڑی میں بٹھایا اور ہسپتال لے گئے اور مکمل طبی امداد دلانے کے بعد واپس آئے۔ وہ خاتون بار بار یہ کہتی رہی ''اس نے تو میرے بیٹے کو بچایا تھا''۔ بھائی کی جگہ شاید کوئی اور ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا لیکن جو بات مجھے سوچنے پر مجبور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ بھائی نے آج تک اس واقعے کا ذِکر ہم سے نہیں کیا۔ اِن کے لئے یہ شاید کوئی اہم بات نہ ہو اور شاید یہی اصل نیکی کا معیار ہے کہ کرنے والا اس سے بے خبر رہے گویا کہ اس نے کوئی قابلِ ذِکر کام کیا ہی نہ ہو۔ ان کے بھائی میجر طارق نے پرانی تصاویر حاصل کرنے کے لئے ان کے بریگیڈ میں رابطہ کیا تو بریگیڈ کے جی تھری کیپٹن وقاص نے کیپٹن کاشف کا ذِکر یوں کیا'' کیپٹن کاشف گورایہ بریگیڈ میں میری آمد سے پہلے انفینٹری سکول کورس پر جا چکے تھے' تاہم اس بریگیڈ میں ہر طرف کاشف گورایہ کی شہرت کے قصے عام تھے، سب کو کہتے سنا کہ ان کی قیادت میں انجینئر کمپنی نے رحیم یار خان میں بہت اعلیٰ کام کیا۔ اسی شہرت کی بنیاد پر کیپٹن کاشف سے ملنے کا بہت اشتیاق ہُوا۔ پھر ایک دن کیپٹن کاشف کورس کے بعد بٹالین ہیڈ کوارٹر پنوں عاقل سے رحیم یار خان آئے تو ملاقات ہو گئی۔ ایک ہی ملاقات میں ان کو اتنا اچھا پایا کہ ان کا چہرہ مُسکراہٹ اور باتیں دِل پر نقش ہو گئی ہیں''۔ میجر طارق پاک فوج سے کیپٹن کاشف کے لگاؤ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ''2005ء میں جب کاشف کو پتہ چلا کہ وہ ISSB کلیئر کر کے پاک فوج کے لئے سلیکٹ ہو گیا ہے تو سب سے پہلے سجدے میں گر کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اکتوبر 2011ء میں پاکستان مِلٹری اکیڈمی کاکول سے پاس آؤٹ ہو اور میرے پاس پہنچا تو مجھے فخر سے سیلیوٹ کیا۔ میں نے سیلیوٹ کا جواب دینے کے بجائے فرطِ جذبات میں گلے سے لگا لیا اور سر فخر سے بلند ہو گیا کہ میرا بھائی بھی پاکستان آرمی میں میرا ساتھی بن چکا۔ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ مُلک و قوم کا یہ بہادر بیٹا شہداءِ اسلام کی صف میں شامل ہو کر حیاتِ جاوداں پانے والا ہے۔''

''اس خصوصی ٹرین قافلے کے نوجوان شہید لیفٹیننٹ محمد عباس کو اللہ تعالٰی نے ان کی عبادات اور اپنے محبوب سے مِلن کے جذبے پر کم سِنی میں ہی مقام شہادت عطا کر دیا۔ ان کے ایک کزن کیپٹن محمد عامر سجاد کا کہنا ہے کہ لیفٹیننٹ عباس بچپن سے ہی سب کی آنکھوں کا تارا، نہایت دلیر، باوفا اور ذہین نوجوان تھا، وہ ہمیشہ نمایاں پوزیشن حاصل کرتا تھا اور جہان فانی سے جاتے ہُوئے بھی اِمتیازی مقام حاصل کر کے رُخصت ہُوا۔ شہادت کا درجہ پانے والوں میں آفیسرز کے ساتھ ساتھ ''ٹائیگرز آف کے کے ایچ'' کے رُوحِ رواں صوبیدار میجر اسلام خان، نائیک عارف محمود، لانس نائیک ظفر حیات، سپر سُلطان زیب، سپر محمد سلیم، سپر دھنی بخش، کُک نصیر احمد، باربر شاپ کے کنٹریکٹر محمد عثمان اور دھوبی شاپ کے کنٹریکٹر محمد ارشد شامل ہیں۔

جائے حادثہ پر اب سینئر ترین آفیسر لیفٹیننٹ کاشف کاظمی اور لیفٹیننٹ مدثر حسن ہی تھے۔ وہ انتہائی چابکدستی سے اپنی ریزہ ریزہ یونٹ کے بکھرے ہُوئے حصّوں کو منضبط کرنے اور موت و حیات کی کشمکش میں مُبتلا زخمیوں کو بچانے لگے۔ یُونٹ کے سولجرز بھی بڑھ چڑھ کر پُوری ذمہ داری سے ان کے احکامات بجالاتے۔ اس طرح جلد ہی جائے حادثہ کو محفوظ بنا کر زخمیوں کو ریسکیو کے لئے تیار کیا جانے لگا۔ دراصل چند لمحوں میں بپا ہونے والے اس خوفناک حادثے نے ہر طرف چیخ و پکار اور خوف و ہراس بپا کر دِیا تھا۔ دیو قامت ستونوں والا پُل کسی کاٹھ کباڑ کے جھونپڑے کی طرح ٹُوٹا پڑا تھا۔ ٹرین کے ڈبے ماچس کی ڈبیوں سے بنی بچوں کی ریل گاڑی کی طرح ہوا میں معلق اور کُچھ نہر میں ڈُوبے ہُوئے تھے۔ دونوں آفیسرز اور سولجرز بے بسی کے عالم میں ڈُوبنے والوں کو بچانے کے لئے کبھی کلہاڑوں کی مدد سے ڈُوبتے ہُوئے ریل گاڑی کے ڈبے کی چھت پھاڑنے کی کوشش کرتے تو کبھی دائیں بائیں سے ڈبوں میں پھنسے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کرتے لیکن یہ سب کوششیں بے کار تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پُوری بوگی پانی میں ڈُوب گئی۔ البتہ دوسرے ڈبوں میں پھنسے سولجرز، عورتوں اور بچوں کو بچا لیا گیا۔ دونوں آفیسرز نے چاروں اطراف میں محافظ کھڑے کئے اور ننگے پاؤں بھاگ بھاگ کر ریسکیو کا کام جاری رکھا تاوقتیکہ قریبی شہروں سے ریسکیو کی ٹیمیں اور سینئر فوجی آفیسرز پہنچنا شروع ہو گئے۔ اب حادثے کے مقام پر کور کمانڈر گوجرانوالہ لیفٹیننٹ جنرل غیور احمد بنفسِ نفیس پہنچ چکے تھے اور ان کی کور کے متعدد آفیسرز اور ریسکیو ٹیمیں مصروفِ عمل تھیں۔ علاوہ بریں SSG Divers جنہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے منگلا سے لایا گیا جبکہ سول ڈائیورز جو جہلم سے بذریعہ روڈ گئے انہوں نے جانیں بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدائی امدادی کاموں میں گوجرانوالہ کے آرمرڈ ڈویژن اور منگلا کور انجینئرز کے دستوں نے بھی عُمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ جاملکے چٹھہ کے قریب حادثے کا شکار ہونے والی اس خصوصی ٹرین نے چار آفیسرز، ایک آفیسرز کی اہلیہ، دو بچوں، ایک صوبیدار میجر، پانچ سولجرز اور تین سویلین مُلازمین کی جان لی۔ حادثہ ہونے پر چھناواں پُل ٹُوٹنے سے ٹرین کا اِنجن اور تین بوگیاں لوئر چناب نہر میں جا گریں۔ حادثے کے بعد کور کمانڈر گوجرانوالہ لیفٹیننٹ جنرل غیور احمد کے علاوہ کور کمانڈر منگلا لیفٹیننٹ جنرل میاں محمد ہلال حُسین اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف ذاتی طور پر تشریف لائے اور پھر آرمی ایوی ایشن بیس پر شُہداء کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ چیف آف آرمی سٹاف نے اس موقع پر سی ایم ایچ گوجرانوالہ میں زخمیوں کی عیادت بھی کی اور حادثے میں بچ جانے والوں کا حوصلہ بڑھایا اور شہداء کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کیا۔ حادثہ اگرچہ تباہ کُن اور بھیانک تھا لیکن پاک فوج کی اس مایہ ناز یونٹ ''ٹائیگرز آف کے کے ایچ'' نے چند ہی دِنوں میں اپنے نئے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل سُلیمان اور دیگر نئے آفیسرز میجر عثمان، کیپٹن وصی اور پُرانے غازیوں لیفٹیننٹ کاشف کاظمی و لیفٹیننٹ مدثر حسن کی قیادت میں خُود کو ایسے سنبھالا کہ صرف دو ہی ہفتوں بعد عیدالفطر کے موقع پر کور کمانڈر منگلا لیفٹیننٹ جنرل میاں محمد ہلال حُسین ہلال امتیاز (مِلٹری) نے جب یونٹ کا دورہ کیا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ کور کمانڈر کا کہنا تھا کہ ''یہ ایک ایسی توانا اور مثالی یونٹ ہے جس نے نہ صرف خود کو زبردست سنبھالا ہے بلکہ ہر سطح پر ایک عُمدہ چمک اور اُونچا مورال دِکھائی دے رہا ہے۔''

arifispr@gmail.com

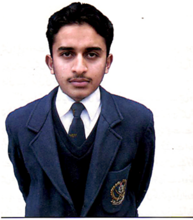

ہمارا کم سن شہید

ملٹری کالج مری کے پہلے شہید لیفٹیننٹ محمد عباس

میجر سید عمران حسین شاہ

2 جولائی 2015 حادثے کا شکار ہونے والی ٹرین کے 17 شہداء میں 107 انجینئر بٹالین کا لیفٹیننٹ محمد عباس بھی شامل ہے۔ لیفٹیننٹ محمد عباس 10 دسمبر 1994 کو ضلع خوشاب کی وادی سون سکیسر کے گاؤں مردوال کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کے والد اختر حسین 107 انجینئرز بٹالین ہی سے بحیثیت نائب صوبیدار ریٹائرڈ ہوئے۔ اختر حسین کے تین بچوں میں محمد عباس سب سے چھوٹا تھا۔ اس سے بڑا حسین عباس ہے جو آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی کا سٹوڈنٹس ہے اور سب سے بڑی بیٹی کا نام انیلہ ہے جس نے ایم بی اے کر رکھا ہے۔ ان کے والد کے بقول تینوں بچوں میں محمد عباس سب سے زیادہ ذہین' قابل اور خوش قسمت تھا۔ شروع ہی سے پاکستان آرمی کے بارے میں استفسار کرتا اور کہتا کہ ابو جان میں بھی آپ کی طرح پاک فوج کا مجاہد بنوں گا اور آپ کی یونٹ 107 انجینئر بٹالین میں بحیثیت افسر بن کر جاؤں گا اور انشاءاللہ وہ وقت بہت جلد آئے گا جب 107 انجینئر بٹالین کا کمانڈنگ آفسر ہوں گا اور آپ فخر سے کہیں گے کہ میرا بیٹا میری یونٹ کا سی او ہے۔

لیفٹیننٹ محمد عباس نے ابتدائی تعلیم فوجی فاؤنڈیشن ہائیر سیکنڈری سکول نوشہرہ (سون) ضلع خوشاب سے حاصل کی۔ اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے میٹرک میں 1050 میں سے 959 نمبر حاصل کر کے اپنے سکول کے بوائز سیکشن میں اول جبکہ پورے سکول میں تھرڈ آیا۔ اس کی بڑی بہن انیلہ کے بقول محمد عباس ہم دونوں بھائی بہن سے مذاق کرتا تھا کہ تم دونوں ہر وقت پڑھتے رہتے ہو پھر بھی تمہاری ہر سال پوزیشن نہیں آتی' میں پڑھتا بھی نہیں ہوں اور پھر بھی ہر سال پوزیشن لے لیتا ہوں۔ میٹرک میں جب 959 نمبر آئے تو ہم حیران رہ گئے کہ نہ پڑھنے کے باوجود اتنے اچھے نمبر کیوں کر آ گئے۔ یقیناً یہ ذہانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنائت ہوئی تھی۔

کیپٹن نصراللہ جوان کا خالہ زاد کزن تھا' جب شہید ہوا تو اس وقت لیفٹیننٹ محمد عباس بہت چھوٹا تھا۔ اکثر اپنی خالہ کیپٹن نصراللہ کی والدہ سے توتلی زبان میں سوال پوچھتا کہ میرا کزن کیسے شہید ہوا اور انہیں کہا کرتا کہ آنٹی بڑا ہو کر میں بھی فوج میں جاؤں گا۔ بچپن ہی سے شہادت کی آرزو اس کے دل میں پھولوں کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میٹرک اعزازی نمبروں کے ساتھ پاس کرنے کے بعد ملٹری کالج مری میں داخل ہو گیا۔ جس کا مقصد ہی پاک آرمی کے لئے نسل نو کی بہترین اخلاقی' ذہنی' تعلیمی اور جسمانی تربیت کرنا ہے۔ ملٹری کالج مری کے قیام کے دوران اس کی تعلیمی کارکردگی بہت شاندار رہی۔ ڈسپلن اور کردار کے لحاظ سے وہ دوسرے کیڈٹس کے لئے ایک مثال تھا۔ اس کے انٹری میٹس اس کی بہت تعریف کرتے اور کہتے ہیں کہ محمد عباس جیسا انٹری میٹ نہیں دیکھا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند نہایت دیندار انسان تھا۔ 2012 میں اپنے مادر علمی ملٹری کالج مری سے اعلیٰ نمبروں کے ساتھ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اس نے پی ایم اے 130 لانگ کورس جوائن کیا۔

میری جب اس کے کورس میٹس سے بات ہوئی تو انہوں نے بھی اس کی بہت تعریف کی اور بتایا کہ محمد عباس خاموش طبع' شریف النفس اور نیک انسان تھا۔ دوران ٹریننگ Punishment کے بعد ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ وہ ہمیں سختی سے تنبیہ کرتا کہ نماز پڑھو اور اکثر ہماری امامت کرتا۔ پی ایم اے کی سخت ٹریننگ کے باوجود اس نے نماز کبھی نہیں چھوڑی جو کہ بہت اعزاز کی بات ہے۔ اپنے کورس میٹس سے کہا کرتا کہ دوستو! میرے والد صاحب کی یونٹ 107 انجینئر بٹالین ہے' آپ دعا کریں کہ مجھے بھی یہی یونٹ ملے۔ جب اسے اپنے والد کی یونٹ ملی تو خوشی سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور بہت فخر کرتا کہ میں اپنے والد صاحب کی یونٹ میں جا رہا ہوں اور گھر میں اپنی باجی انیلہ کو بھی اکثر کہتا کہ باجی اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ والد صاحب کی یونٹ میں جا رہا ہوں۔

اس کے کورس میٹ لیفٹیننٹ عبدالوحید دلبر (21 بلوچ) نے مجھے بتایا کہ وہ اس کا بہت اچھا دوست تھا۔ دوران ٹریننگ ہم نے کبھی بھی اسے لڑتے جھگڑتے' گالی دیتے یا کسی قسم کی شرارت کرتے نہیں دیکھا۔ بہت مددگار تھا' اسے انجینئر بننے کی لگن تھی اور اپنے والد کی یونٹ سے انس تھا۔

107 انجینئر بٹالین کے اس کے قریبی دوست کورس میٹ اور روم میٹ

لیفٹیننٹ شاہ زور سے جب میں نے اس کے بارے میں رائے لی تو اس نے بتایا کہ سر ہم دونوں کا تعلق 107 انجینئر بٹالین Tigers of KKH سے ہے۔ میں لیفٹیننٹ محمد عباس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوں۔ انتہائی پرہیزگار اور نمازی آدمی تھا۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا اس کا نہ صرف معمول تھا بلکہ مجھے باجماعت نماز ادا کرنے کی تاکید کرتا اور مسجد ساتھ لے کر جاتا۔ اس کی سُچی داڑھی اس کی پرہیزگاری کی علامت تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت اس کا معمول تھا اور تنہائی میں تلاوت قرآن مجید کرتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی۔ پچھلے دو ماہ سے یونٹ میں بطور ایڈ جوٹنٹ خدمات انجام دے رہا تھا۔ نہایت میٹھے بول اور دھیمی آواز سے اپنے جونیئر سے بات کرتا۔ ٹیبل ٹینس اور کرکٹ کا انتہائی بہترین کھلاڑی تھا۔ جسمانی طور پر بہت فٹ تھا۔

ملٹری کالج مری کے صوبیدار افضل صاحب کیڈٹس کو نماز کے لئے سخت ترین برف میں بھی جگانے کے لئے آ جاتے۔ ان کا اکثر ذکر اچھے الفاظ میں کرتا کہ افضل صاحب بہت اچھے آدمی ہیں جو نماز کی سختی سے تاکید کرتے۔ اکثر گھر والوں کو سرپرائز دیتا۔ ملٹری کالج مری اور پی ایم اے دونوں سے اکثر بغیر بتائے گھر آ جاتا۔ ہم گھر والے اسے کہتے کہ آنے سے پہلے بتا تو دیا کرو تو کہتا کہ سرپرائز کا اپنا مزہ ہوتا ہے۔ گھر کے ہر فرد کا خیال رکھتا۔ ہر فرد کی سالگرہ یاد رکھتا۔ 15 جون کو حسن عباس کی سالگرہ بھی اسے یاد تھی۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ کیا گفٹ دو گے؟ تو مذاق میں کہنے لگا۔ ''دعائیں اور نیک تمنائیں'' ہماری 35 سالہ خالہ زاد بہن جس کے والدین فوت ہو گئے ہیں اور جس کا کوئی بہن بھائی نہیں' ہمارے پاس ہی گھر میں ہوتی ہیں۔ وہ ذہنی مریضہ بھی ہیں۔ ان کا بہت خیال رکھتا۔ میں نے ابھی تک اس کے کالج کی اردو کی کاپی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے جس کے ایک صفحے پر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا شعر جو اسے بہت پسند تھا اور جس کے آخر میں اس کے دستخط بھی ہیں وہ شعر یہ ہے:

''جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں''

میں نے اس کی بڑی بہن انیلہ جنہوں نے ایم بی اے کر رکھا ہے، سے رابطہ کیا اور اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا ''ہر وقت ہنستے مسکراتے رہنا میرے بھائی کی عادت تھی۔ بچوں کے ساتھ بچہ اور بڑوں کے ساتھ بڑا بن جاتا۔ میری کوئی بہن نہیں ہے وہ اکثر میری بہن بن جاتا اور بہنوں والی باتیں کرتا۔ ہر بات مجھ سے شیئر کرتا تھا کہ آج کپڑے کون سے پہننے ہیں اور کھانا کیا پکانا ہے۔ اسے پاکستان کرکٹ ٹیم سے بہت پیار تھا۔ جب بھی پاکستان ٹیم جیت جاتی تو مجھے خوشی سے ٹریٹ دیا کرتا۔ کھانے کی میز پر اکثر پاکستان کی باتیں کرتا۔ میں اسے پیار سے جگنو اور چاچو بولتی تھی۔ جب اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ پر پی ایم اے گئی تو وہ مجھے اپنی کمپنی (صلاح الدین) میں لے گیا۔ ہمارے کزن کیپٹن نصر اللہ شہید کی بھی یہی کمپنی تھی۔ وہ فخر کرتا کہ مجھے اپنے شہید کزن کی کمپنی ملی ہے۔ پھر وہ مجھے اعزازی بورڈ دکھانے لگا جہاں شہداء کے نام درج تھے۔ اس بورڈ پر ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ شہید کا نام بھی تھا جس کو بار بار پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ کتنا خوش قسمت ہے کہ چھوٹی سی عمر میں ہی اتنا بڑا اعزاز پا گیا۔ میرے لئے دعا کرو کہ میں بھی یہ اعزاز جلد حاصل کر لوں۔ اپنے Laptop پر اکثر شہداء کی ویڈیوز دیکھتا۔ ایک دن میں اس کے Laptop پر ویڈیو دیکھ کر رونے لگی تو مجھے کہنے لگا کہ تم کتنی بیوقوف ہو کہ ویڈیو دیکھ کر ہی رونے لگی ہو۔ اگر میں شہید ہو گیا تو پھر تم کیا کرو گی۔ میں نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میرا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹا کر کہنے لگا۔ ''Be Brave'' تمہارے آرمی والوں کے ساتھ بہت سے رشتے ہیں، تم ایک فوجی کی بیٹی ہو۔ فوجی کی بہن ہو اور شہید کی کزن۔ پاک آرمی دنیا کی دلیر ترین آرمی ہے۔ تمہیں دلیر ہونا چاہئے۔ اس کی زبان پر اکثر ڈائیلاگ ہوتا۔ ''صبر اور حوصلہ'' میرے بھائی کو اپنی امی کے ساتھ بہت زیادہ لگاؤ تھا اور کہا کرتا کہ امی جان کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے بتانا۔ انشاء اللہ آپ کا ہر مسئلہ حل کر دوں گا۔ کچھ عرصہ قبل میرے بھائی کا انفنٹری بیسک کورس آ گیا تو مجھے کہتا کہ دعا کرو کہ ٹاپ کروں۔ پنوں عاقل سے جب اس کی ٹرین روانہ ہوئی تو روانگی کے ساتھ ہی موبائل پر اس سے بات ہوتی رہی۔ پنوں عاقل سے نکلتے ہوئے اس نے مجھے ایس ایم ایس کیا کہ الحمدللہ پنوں عاقل کی گرمی سے باہر نکل آئے ہیں جب فیصل آباد پہنچا تو بارش ہو رہی تھی۔ تو اس نے بتایا کہ باجی الحمدللہ یہاں فیصل آباد میں بارش ہو رہی ہے اور جنت کی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ ہم نے کھڑکیاں کھولی ہوئی ہیں۔ یکم جولائی بدھ کی رات گیارہ بجے دوران سفر اس کی آخری کال آئی اور کہا باجی چاند دیکھ رہی ہو۔ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔ میں پیار سے اکثر چاچو بولتی اور کہتی کہ چاچو مجھے کھلونے چاہئے۔ میں سپیشل سرگودھا اتروں گا تمہارے کھلونے لینے کے لئے اور میں، اس کی پیاری بہن آج کئی ماہ گزرنے کے باوجود اپنے کھلونوں کی منتظر ہوں۔ شاید تا ابد رہوں گی جب تک میری' میرے سب سے پیارے کھلونے' میرے پیارے بھائی سے ملاقات نہیں ہو جاتی۔

قمر عباس شہید کے بھائی حسن عباس سے جب میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ''محمد عباس میرا بہت پیارا بھائی تھا۔ میں ہر میدان میں اس کو کامیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ اللہ کا شکر گزار ہوں کہ جس نے اسے سب سے بڑی کامیابی سے نواز دیا۔ میرے لئے بڑی خوشی اور فخر کی بات ہے کہ میں ایک شہید کا بھائی ہوں۔''

فوجی فاؤنڈیشن سکول نوشہرہ (سون) ضلع خوشاب کے پرنسپل میجر ریٹائرڈ احسان اور اس کے ٹیچر محمد اسلام کے بقول لیفٹیننٹ محمد عباس اپنے سکول کا پہلا شہید ہے۔ ہر کلاس میں پوزیشن لیتا۔ ڈرامہ کلب کا خاص ممبر تھا۔ بہت اچھا مقرر تھا۔ پاکستان آرمی جوائن کرنے اور شہید ہونے کی خواہش کا اکثر اظہار کرتا۔

جیئں تو غازی جو مر جائیں تو شہیدِ آرزو
ہمیں قبول نہیں کوئی درمیان کی بات

shakir77_khan@yahoo.com

یومِ آزادی کی تقریبات

بلوچستان

وطن سے والہانہ محبت کے اظہار کے لئے فرنٹیئر کور بلوچستان کے زیراہتمام بلوچستان کے سرحدی شہروں اور قصبوں پنجگور نوشکی، تفتان، نوکنڈی، دالبندین اور گوادر میں عوام نے جشن آزادی کے پروگراموں میں بھرپور شرکت کی۔

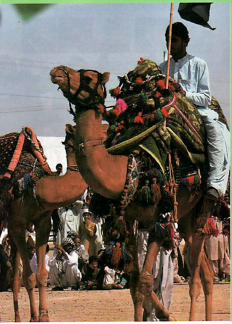

آواران، حب، خضدار، چمن، سبی، لورالائی اور ژوب میں جشن آزادی کے سلسلے میں کرکٹ، فٹبال، سائیکل ریس، مراتھن ریس، رائفل شوٹنگ، کار ریلی اور کبڈی کے ٹورنامنٹس کا انعقاد کیا گیا۔ سوئی، کوہلو، بارکھان، خضدار اور چمن میں آزادی ریلیاں منعقد کی گئیں۔ اس کے علاوہ چمن میں آزادی ٹرین اور خضدار، ڈیرہ بگٹی اور آواران میں آزادی بس کا افتتاح کیا گیا۔ علاوہ ازیں فرنٹیئر کور کے زیراہتمام یوم آزادی کی مناسبت سے قائداعظم ریذیڈنسی میں پرچم کشائی کی پُروقار تقریب منعقد کی گئی۔ تقریب میں وزیراعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ، کمانڈر سدرن کمانڈ لیفٹیننٹ جنرل ناصرخان جنجوعہ، آئی جی ایف سی میجر جنرل شیرافگن، ڈپٹی چیئرمین سینٹ عبدالغفور حیدری، صوبائی وزراء کرام اور قبائلی عمائدین نے بھرپور شرکت کی۔

لاہور

ملتان

پنجاب رینجرز (لاہور)

ڈیرہ اسماعیل خان

شمالی وزیرستان

ہمدرد
پاکستان
نباتی مصنوعات کا عالمی ادارہ
Suduri
MASTURIN
Naunehal Gripe Water
Sharbat Faulad
Tansukh
Khuban
SAFI
Barrisal
Ergember
Aftimooni
HAMDARD GHUTTI
Ispaghol
Ispaghol
SUPARI PAK
SOMINA
NEO Carmina
Sualin
GARLINA
Miswak
الجمید ہمدرد سینٹر ناظم آباد نمبر 3 کراچی 74600
ای۔پی۔اے۔بی۔ایکس نمبر 4-36616001 (چار لائینیں) 36620945-49 (پانچ لائینیں)
فیکس نمبر 36611755-(21-92) ای۔میل ایڈریس headoffice@hamdard.com.pk
ویب سائٹ www.hamdard.com.pk

پاک فضاؤں کا فخر

پاکستان کے شہر کراچی کی 20 اگست 1971 کی ایک صبح ہے۔ سورج مشرق کی گود سے اٹھ چکا تھا۔ زندگی رواں دواں ہو چکی تھی۔ عام سا دن مگر اپنے اندر بہت سے اسرار چھپائے ہوئے تھا...... بیس سال کا نوجوان پائلٹ اپنی تربیت مکمل کر کے آ چکا تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تربیتی پروازوں پر روانہ ہونے کے لئے اپنے جہاز کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جمعہ کا دن 'مبارک دن' نوجوان پائلٹ نے اپنے دو اور ساتھیوں کے ہمراہ چند منٹ کا پیدل سفر طے کیا اور اپنے اپنے جہازوں تک پہنچ گئے۔

زمین پر ارتعاش پیدا ہوا۔ ایک جہاز رن وے پر دوڑنا شروع اور چند لمحوں بعد فضا میں بلند ہو گیا۔ پھر تین منٹ کے وقفے کے بعد دوسرا جہاز رن وے پر بھاگا اور بلند ہو گیا۔ مختصر وقفے کے بعد تیسرا پائلٹ اپنے جہاز میں بیٹھا......وقت کچھ سرک چکا تھا۔ گھڑی پر تقریباً گیارہ بج کر 26 منٹ ہو چکے تھے......

نوجوان پائلٹ اپنے ٹرینر جیٹ طیارے ٹی 303 میں بیٹھ چکا تھا۔ اس طیارے کی خاص بات یہ تھی کہ دوہرے کنٹرول کا جہاز تھا۔ اس میں کیڈٹ اور انسٹرکٹر دونوں کے لئے کنٹرول پینل ہوتے ہیں۔ نئے کیڈٹ کے پیچھے اس کا انسٹرکٹر بیٹھ کر ہدایات دیتا ہے اور یوں پائلٹ کو ٹرین کرتا ہے۔

11 بج کر 26 منٹ پر نوجوان کیڈٹ کو کنٹرول ٹاور سے پہلی کلیرنس ملی تو جہاز نے رن وے پر چلنا

تحریر: خالد مجید

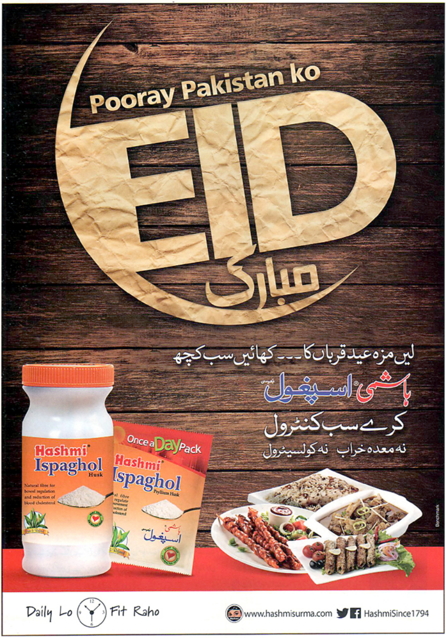

Pooray Pakistan ko
EID
مبارک
لیں مزہ عید قرباں کا۔۔۔ کھائیں سب کچھ
ہاشمی اسپغول
کرے سب کنٹرول
نہ معدہ خراب نہ کولسیٹرول
Hashmi
Ispaghol
Husk
Natural fibre for bowel regulation and reduction of blood cholesterol
Once a Day Pack
Hashmi
Ispaghol
Psyllium Husk
ہاشمی
اسپغول
Daily Lo Fit Raho
www.hashmisurma.com
HashmiSince1794

شروع کر دیا۔ ابھی کچھ رفتار بڑھی ہی تھی کہ نوجوان پائلٹ نے دیکھا کہ رن وے پر ایک کار بھاگتی چلی آ رہی ہے...... حیرانی لمحہ بھر میں نوجوان کی آنکھوں کو پھیلا گئی مگر جہاز بدستور چلتا رہا۔ کار فراٹے بھرتی اب جہاز کے قریب پہنچ چکی تھی۔ نوجوان نے جب غور سے دیکھا تو اسے پہچاننے میں ذرا دِقت محسوس نہیں ہوئی۔ یہ اس کا انسٹرکٹر تھا۔ آن کی آن میں انسٹرکٹر نے اپنی کار سے اتر کر ایسا سگنل دیا جس سے خطرے کا اعلان ہو رہا تھا۔ نوجوان نے فوراً جہاز روک لیا کہ طیارے میں کوئی فنی خرابی ہے جس کی وجہ سے انسٹرکٹر نے رن وے پر گاڑی دوڑائی ہے۔ جہاز کے رکتے ہی وہ انسٹرکٹر جمپ لگا کر کاک پٹ میں داخل ہوتے ہی پچھلی نشست پر قابض ہو گیا...... نوجوان پائلٹ کے لئے اب مزید حیرانی کا لمحہ تھا کہ نہ وہ وردی میں تھے اور نہ ہی انہیں تربیتی پرواز میں سفر کرنے کی اجازت ملی تھی...... ایک لمحہ میں کتنے ہی وسوسوں نے سر اٹھایا ہوگا...... جو چند لمحوں میں نوجوان پائلٹ کے پورے جسم میں سرایت کر رہے ہوں گے...... کتنے ہی شکوک ہوں گے جنہوں نے جسم میں دوڑنے والے خون میں حرارت بڑھائی ہوگی...... انسٹرکٹر کی غداری کا سوچا ہوگا مگر......

غداری جیسے لفظ کو سوچتے ہوئے بھی محب وطن نے اپنی اس سوچ کو بُری طرح جھٹکا ہوگا...... اپنے آپ کو اغوا کئے جانے کے خیال سے ریڑھ کی ہڈی تک جھرجھری آئی ہوگی...... اور بار بار اس بُرے خیال کو بھی جھٹکا ہوگا۔ انہی نازک لمحوں میں نوجوان نے بہت سے فیصلے کئے ہوں گے...... اگر اور مگر کی لڑائی جاری ہو چکی ہوگی...... ذہن میں ایک ہیجان سا ہوگا...... اس کا احترام کا جذبہ اس وقت کافور ہو گیا ہوگا جب انسٹرکٹر نے جہاز اڑانے کی کوشش کی ہوگی اور پھر انسانیت کے سامنے شیطانیت کا لبادہ اوڑھے...... اس کا انسٹرکٹر ہیرو سے زیرو ہو گیا ہوگا جب اس نے وائرلیس پر اپنے جیسے غداروں کو یہ پیغام دیا ہوگا کہ ''اس کی بیوی اور بچے کراچی میں ہیں' انہیں بھارتی ہائی کمیشن میں لے جا کر تحفظ دلوائیں اور جب اس نے اپنے جودھپور جانے کا بتایا ہوگا تو نوجوان پائلٹ کو سب سمجھ آ گیا ہوگا۔ احترام سے بنا بت پاش پاش ہو کر بکھر چکا تھا۔ اب لڑائی تھی...... انسانیت اور شیطانیت کے درمیان...... اب آمنے سامنے تھے ایک وطن کی آن پر قربان ہونے والا اور دوسرا وطن کی سالمیت کا سودا کرنے والا...... ایک ضمیر فروشی کا بوجھ لئے اس جہاز میں موجود تھا جبکہ دوسرا ملک کی آن پر قربان ہونے کے جذبے سے مالا مال تھا۔ یہ معرکہ حق و باطل تھا...... جو ایک خوشگوار دن کے ابتدائی گھنٹوں میں شروع ہو چکا تھا...... ایک طرف تجربے سے بھری ذہنی خباثتیں تھیں تو دوسری طرف معصومیت اور شہادت کا جذبہ تھا...... اس نازک ترین لمحے میں شیطان کے پیروکار نے اپنے جاں نثار وجی دار کیڈٹ کو ہر طرح سے مرعوب کیا ہوگا۔ یقیناً اسے ہر طرح کی مراعات' ہر طرح کا لالچ' ہر طرح کی ترقی کا سہانا خواب دکھایا ہوگا...... انسانیت اور شیطانیت جب بھی نبرد آزما ہوتی ہیں تو ایسے ہی حربے استعمال کر کے انسانیت کو مرعوب کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ لیکن جن کا تکیہ خدا پر ہوتا ہے وہ ایسے اوچھے ہتھکنڈوں کو خاطر میں کہاں لاتے ہیں...... انسٹرکٹر نے کیڈٹ کو کسی بھی طرح رام ہوتے نہ دیکھ کر اپنے پینل سے جہاز اڑانے کا فیصلہ لمحوں میں کر لیا...... جہاز رن وے پر دوڑنے لگا...... کیڈٹ نے مزاحمت کی...... انسٹرکٹر نے اسے قابو کرنے کی بھرپور کوشش کی کہ وہ جسمانی طور پر بھی اُس سے معصوم اور نوجوان کیڈٹ سے طاقت ور تھا...... اب باقاعدہ لڑائی شروع ہو چکی تھی...... کبھی انسٹرکٹر اور کبھی کیڈٹ کا پلہ بھاری ہو جاتا ہوگا...... اب تو جہاز بھی فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ شیطانیت اب انسانیت کو ختم کرنے کے درپے تھی...... اب جہاز کے اندر ایک شیطانی طاقت تھی جو فلائٹ لیفٹیننٹ مطیع الرحمٰن کا روپ دھارے ہوئے اس ملک کی عزت کا جنازہ نکالنے پر بضد تھی...... یہ انسٹرکٹر اپنے آقاؤں کے پاس پہنچ کر انہیں چوری شدہ وہ تمام کاغذات دینا چاہتا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر دشمن وطنِ عزیز کو نقصان پہنچا سکتا تھا مگر اس کے مدِمقابل ایک ایسا سرفروش تھا جو ایمان کی دولت سے مالا مال تھا...... جو شیطانیت کے سامنے انسانیت کا علم بلند کئے سیسہ پلائی دیوار بنے ہوئے اس کے عزائم خاک میں ملانے کے لئے تیار تھا۔

یہ نوجوان جو جذبۂ حب الوطنی سے مالا مال اُس وقت اپنے انسٹرکٹر سے پنجہ آزمائی کر رہا تھا 17 فروری 1951 رات نو بجے فضائیہ ہسپتال کراچی میں پیدا ہوا تھا۔ پھر والد لاہور آئے تو پانچ سال کی عمر میں کوئین میری اور جیس سکول لاہور سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کے والد کو راولپنڈی رہنا پڑا تو اس بچے کو سینٹ میری اکیڈمی رائل آرٹلری میں داخل کروا دیا۔ یہاں سے والد واپس کراچی گئے تو یہ بچہ اب سینٹ پیٹرک کالج کا طالب علم تھا۔ یہاں سینئر کیمبرج کا امتحان نمایاں پوزیشن میں پاس کرنے کے بعد گھر والوں سے چوری ایئر فورس میں انٹرویو دے دیا جبکہ والد اپنے بیٹے کو انجینئر بنانا چاہتے تھے 1968 میں پاک فضائیہ میں شامل ہو گیا۔ ایئر فورس اکیڈمی سے فلائٹ کیڈٹ کی ٹریننگ' جوڈو اور سیلف ڈیفنس کا کورس بھی احسن طریقے سے پاس کیا 1970 میں پشاور یونیورسٹی سے بی ایس سی کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ پھر سائنس' الیکٹرونکس' علم موسمیات اور پرواز سے متعلقہ علوم کا امتحان ایئر فورس اکیڈمی رسالپور سے پاس کر کے فارغ التحصیل کیڈٹ بنا۔ 15 اگست 1971 کو ان کی تعلیم مکمل ہوئی اور وہ پائلٹ آفیسر بن چکے تھے۔

19 اگست کو گھر بیٹھے عبدالحمید منہاس اپنے بیٹے کے لئے پریشان ہو کر ملنے پاکستان ایئر فورس بیس ماڑی پور چلے گئے۔ دونوں گلے ملے خوش ہوئے اور دونوں باپ بیٹے نے مل کر کھانا کھایا پھر بیٹے نے اپنے آپ کو بتایا کہ کل ان کے بیٹے کی سولو فلائٹ ہے۔ والد نے گھر آ کر سب کو بتایا' گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ بہنوں نے بھائی کی واپسی پر مٹھائی کھلانے کے لئے ماں باپ کو راضی کر لیا۔

اسی سولو فلائٹ کے اندر انسانیت اور شیطانیت اس وقت دست و گریباں تھے۔ مطیع الرحمٰن چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح جہاز کو دشمن کی حدود میں داخل کر لے جہاں سے وہ ان کی پناہ میں چلا جائے گا جبکہ شیر دل پائلٹ آفیسر اس کی راہ میں رکاوٹ تھا کہ ایسا نہ ہونے دیا جائے۔ مطیع الرحمٰن نے جہاز کا رخ بھارت کی طرف موڑ دیا۔ پائلٹ آفیسر نے ماڑی پور رابطہ کر کے بتایا...... ''میں راشد منہاس بول رہا ہوں...... مجھے اغوا کیا جا رہا ہے...... اور مطیع الرحمٰن کے ساتھیوں کو بھارتی ہائی کمیشن میں پناہ نہ لینے دو۔'' یہ پیغام گیارہ بج کر 29 منٹ پر موصول ہوا۔ راشد منہاس نے

’’اَفَلاتَتَفَکَّرُوْن ...... اَفَلا یَتَدَبَّرُوْنَ‘‘

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ
تَبْذِیْرًاO اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ
الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًاO وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ
رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًاO وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً
اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًاO
اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ط اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِیْرًا م بَصِیْرًاO

ترجمہ اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔ اور اگر تم اپنے رب کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو، ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو۔ اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن کے گرد بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمہارا رب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے (اور جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور (ان کو) دیکھ رہا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 26:تا30)

گیارہ بج کر 33 منٹ پر پھر کنٹرول ٹاور کو سگنل دیا کہ انہیں اغوا کیا جا رہا ہے۔ تمام شیطانی حربے آزمانے کے بعد مطیع الرحمٰن نے کلوروفارم کا رومال راشد منہاس کے منہ پر رکھ دیا مگر نوجوان پائلٹ نے اپنے حواس قابو میں رکھے۔ نیچی پرواز کا طیارہ ریڈار کی حدود میں نہیں آسکتا۔ لمحوں میں فیصلے ہوتے رہے۔ مطیع الرحمٰن طیارہ نیچے رکھ کر ہر حال میں بھارت جا کر اپنے آقاؤں سے انعامات لینا چاہتا تھا جبکہ راشد منہاس نے اب اس کی خواہشوں کے آگے دیوار بننے کا فیصلہ کر لیا۔ چند ہی لمحوں میں جہاز دوسرے ملک کی حدود میں داخل ہونے کو تھا کہ راشد منہاس نے جہاز پر اپنا کنٹرول کر لیا اور پوری رفتار سے زمین کی طرف رخ کیا اور فضا ایک زوردار دھماکے سے گونج اٹھی اور جہاز زمین پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا۔

عبدالمجید منہاس کے گھر میں خوشی کا سماں تھا کہ آج ان کا بیٹا اپنی سولو فلائٹ کے بعد جب واپس آئے گا تو سب خوشی سے اس کا استقبال کریں گے۔ بہنوں نے بھائی کی پسند کے آلو گوشت اور پلاؤ چولہے پر چڑھا رکھے تھے...... انتظار طویل ہوتا چلا گیا۔ دن شام میں بدلا اور پھر رات کی سیاہی پھیل گئی۔ ہفتے کا دن شروع ہو گیا مگر راشد منہاس نہیں آیا۔ پریشانی بڑھ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ عبدالمجید منہاس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف ایک سکواڈرن لیڈر تھے جو گھر آنے کا پوچھ رہے تھے...... چند لمحے تذبذب میں گزرے ہوں گے اور پھر عبدالمجید منہاس نے انہیں گھر تشریف لانے کا کہہ دیا ہوگا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد جب دونوں آمنے سامنے تھے اور علیک سلیک کے بعد جب بات راشد منہاس کی شروع ہوگی تو یقیناً سکواڈرن لیڈر کچھ خاموش ہوئے ہوں گے چند الفاظ یکجا کیے ہوں گے اور ہمت کر کے جب انہیں بتایا ہوگا کہ ان کے بیٹے نے وطن کی آن بچاتے ہوئے دشمن کے زرخرید کارندے کو نہایت بہادری سے واصل جہنم کر دیا ہے...... جو شخص ملک کی اہم دستاویز لے کر پاکستان سے بھاگنا چاہتا تھا اُسے آپ کے بیٹے نے مار دیا ہے...... اپنے بیٹے کے بارے میں عبدالمجید منہاس نے پوچھا ہوگا...... سکواڈرن لیڈر صاحب نے سنی اَن سنی کر کے راشد منہاس کی بہادری کے قصے سنائے ہوں گے...... ماں اور راشد منہاس کی بہنوں نے دروازے پر کان لگائے ہوں گے...... خدا ایسے بیٹے نصیب والوں کو دیتا ہے جو وطن کی محبت سے سرشار ہوں...... سکواڈرن لیڈر صاحب کی باتوں کے درمیان یقیناً عبدالمجید منہاس نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا ہوگا...... راشد منہاس تو ٹھیک ہے ناں...... سکواڈرن لیڈر صاحب نے پھر اس بات کو نظرانداز کیا ہوگا...... وطن پرستی اور وطن پر قربان ہونے والوں کی بات سنائی ہوگی...... کمرے میں تذبذب بڑھ رہا ہوگا۔ ماں اور بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی ہوں گی۔ سکواڈرن لیڈر صاحب نے پھر کہنا شروع کیا ہوگا کہ وہ باپ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کے بچے وطن کی آن پر قربان ہو جاتے، جو وطن کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ دیتے ہیں۔ ان باتوں سے اب گھر کے سب افراد کے اندر خوف کی لہر اٹھی ہوگی۔ مگر بیٹے اور بھائی سے جدائی کا سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ انہوں نے اس خیال کو جھٹک کر راشد منہاس کی زندگی کی دعائیں کرنا شروع کر دی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے ماں کے قدم بوجھل ہو گئے ہوں اور وہ وہیں بیٹھ گئی ہو...... اور پھر گھر میں غم، فخر اور تشکر کے جذبات نے حکمرانی کی ہوگی جب سکواڈرن لیڈر صاحب نے کہا ہوگا کہ آپ بھی اُن خوش نصیب ماں باپ میں سے ہیں جن کے بیٹے وطن کی خاطر شہید ہو گئے ہیں...... سکتے کے عالم میں عبدالمجید منہاس کے منہ سے صرف ’’جی‘‘ نکلا ہوگا۔ باپ نے بات تو حوصلے سے سنی ہوگی مگر منتظر آنکھیں جو جواں سال بیٹے کو سولو فلائیٹ کے بعد دیکھنے کے لئے کل سے بار بار دروازے کو دیکھ رہی تھیں، اُن سے آنسو بہہ نکلے ہوں گے۔ ان کا حوصلہ بھی جواب دے چکا ہوگا، مگر سکواڈرن لیڈر صاحب نے اپنے شکستہ لفظوں سے ہمت بندھائی ہوگی...... اور پھر نوجوان شہید راشد منہاس کو فوجی اعزازات اور عزت و احترام کے ساتھ توپوں کی سلامی کے ساتھ لحد میں اتار دیا گیا ہوگا۔ جس نے ملک کے ساتھ غداری کرنے والے لالچی، خودغرض، ضمیر فروش، ابن الوقت مطیع الرحمٰن کے ہاتھوں وطنِ عزیز کو پہنچنے والے نقصان سے بچایا اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اس شخص کو واصلِ جہنم کیا تھا۔ نشانِ حیدر کا اعزاز حاصل کرنے والے بہادروں کی داستان رقم کرتے ہوئے قلم بھی فخر محسوس کرتا ہے۔

چیف آف آرمی سٹاف کا سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری کا دورہ

گزشتہ دنوں چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف نے سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری کا دورہ کیا اور بلا اشتعال بھارتی فائرنگ سے ہونے والے جانی اور مالی نقصان کا جائزہ لیا۔ اس موقع پر وہ لوگوں سے ملے اور کہا کہ پاک فوج ہمیشہ مشکل وقت میں عوام کے ساتھ شانہ بشانہ رہی ہے اور تحفظ فراہم کرنے کی ضامن ہے۔ بعدازاں انہوں نے سی ایم ایچ سیالکوٹ میں زخمیوں کی عیادت کی۔

امجد رزاق نے آڑ لے کر آگے بڑھنا شروع کیا۔اس دوران اسے ایک دہشت گرد نظر آیا جو مشین گن سے مسلح تھا اور اپنے دیگرساتھی دہشت گردوں کی حرکت کو کور کر رہا تھا۔ امجد کی حاضر دماغی کے باعث اسے سمجھ میں آگیا کہ اگر اس دہشت گرد کا صفایا نہ کیا گیا تو یہ پیش قدمی کرنے والی سپاہ کے لئے رکاوٹ بنا رہے گا اور انھیں نقصان پہنچاتا رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ امجد رزاق نے ایک جست لگا کر اس کو دبوچ لیا اور سنگین کے وار سے اس کا کام تمام کردیا۔ ایک دہشت گرد کو جہنم واصل کر کے امجددوبارہ آگے بڑھنے لگا۔ ■

امجد رزاق شہید، (ستارۂ بسالت)

عظیم پیشہ بحر ہے میرا جنوں

سانحہ مہران بیس میں شہید ہونے والے پاک بحریہ کے سپوت کی داستان

میجر ارمغان نعیم خان

سپیشل سروسز گروپ جسے حرفِ عام میں Seal Group بھی کہا جاتا ہے، ان لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں ہمیشہ سخت اور کٹھن کام سونپے جاتے ہیں جو عام سپاہ کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کاموں کی نوعیت انتہائی حساس ہوتی ہے اوران میں کسی قسم کی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا سپیشل سروسز گروپ والوں کو تربیت کے نہایت کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ یہ افسر و جوان ہمہ وقت اپنی جان ہتھیلی پر لئے خطرات سے کھیلنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

ہزارہ ڈویژن کے شہر ہری پور کے ایک معزز اور قابل قدر گھرانے میں آنکھ کھولنے والا امجد رزاق اور اس کے والدین اس حقیقت سے قطعی لاعلم تھے کہ ان کا بیٹا اس عظیم مقام کے لئے چن لیا گیا ہے جس تک پہنچنا ایک ایسا اعزاز ہے جو قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ وہ بچپن ہی سے جذبہ حب الوطنی اور افواج پاکستان کی جانب لگا رکھتا تھا، تعلیمی منازل طے کرنے کے بعد 1995 میں امجد کا فوجی شوق پورا ہوا جب وہ پاک بحریہ میں شامل ہوگیا۔ اپنی جسمانی مضبوطی اور جوش و جذبے کے باعث وہ اپنے بالا افسران کی نظر میں آ گیا۔ چنانچہ تین سال کے مختصر عرصہ میں سپیشل سروسز گروپ کے لئے چن لیا گیا۔ وہاں کی کٹھن تربیت اور چیلنجوں نے امجد کے جوش و جذبے کو اور زیادہ ابھارا۔ یہی وجہ تھی کہ آرمی پیراشوٹ ٹریننگ سکول سے اعزازی درجے کے ساتھ پیرا شوٹ اور Sky Diving کی تربیت مکمل کرنے پر اسے مزید اعلیٰ تربیت کے لئے امریکہ بھیج دیا گیا۔ امجد کے اندر ایک بہت منفرد عادت تھی۔ وہ ہمیشہ بظاہر مشکل نظر آنے والی ڈیوٹی کو آگے بڑھ کر قبول کرتا تھا۔ شاید یہی عادت اسے اپنے قبیل میں منفرد بناتی تھی۔

22 مئی 2011 کی رات وہ کٹھن لمحہ آن پہنچا جس کا امجد بہت عرصہ سے

امجد رزاق شہید سکائی ڈائیونگ کرتے ہوئے

منتظر تھا۔ یہ وہ دن تھا جب ملک دشمن عناصر، جنہیں عرف عام میں دہشت گردوں کے نام سے جانا جاتا ہے، نے پاکستان نیوی کی ایوی ایشن بیس پی این ایس مہران پر حملہ کر کے دفاع پاکستان کے ضامن اثاثوں کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ مگر وہ دہشت گرد اپنی منصوبہ بندی کرتے ہوئے غالباً یہ بھول گئے تھے کہ ان کا پالا کن سرفروشوں سے پڑ رہا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ناموس پاکستان کے دفاع کی قسم کھائے ہوئے تھے۔

دہشت گردوں کا حملہ ہوتے ہی SSG (N) کو مہران بیس کا علاقہ کلیئر کرنے اور وہاں موجود دہشت گردوں کو ختم کرنے کا حکم ملا۔ SSG (N) کے جوانوں کو بخوبی معلوم تھا کہ نہ تو یہ کوئی عام کارروائی ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی غلطی یا کوتاہی کی کوئی گنجائش موجود ہے۔ دہشت گردوں نے یہ کارروائی کر کے گویا ان کی غیرت کو للکارا تھا۔ سو اب یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ جانباز ان دہشت گردوں کو زندہ نکل جانے دیتے۔ بالکل یہی جذبات امجد رزاق اور SSG (N) کے دیگر جوانوں کے تھے۔ بہر حال امجد اور اس کے ساتھیوں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر کارروائی کا آغاز کر دیا اور رات کے اندھیرے میں دہشت گردوں کی تلاش شروع کر دی۔ امجد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کب اسے موقع ملے اور کب وہ ان کے بوجھ سے زمین کو آزاد کروائے۔ دہشت گرد، SSG (N) کے اس اچانک اور زوردار حملے سے یکا یک چکرا گئے اور پسپا ہو کر اس جانب بڑھنے لگے جہاں ہوائی جہازوں کو رکھا جاتا تھا۔ دہشت گرد یہ جانتے تھے کہ ہوائی جہازوں کے آس پاس پناہ لینے سے ان کی بچت ہو سکتی ہے کیونکہ سپاہ براہ راست ان جہازوں کو نشانہ نہیں بنائے گی۔

امجد رزاق نے آڑ لے کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اس دوران اسے ایک دہشت گرد نظر آیا جو مشین گن سے مسلح تھا اور اپنے دیگر ساتھی دہشت گردوں کی حرکت کو کور کر رہا تھا۔ امجد کی حاضر دماغی کے باعث اسے سمجھ میں آ گیا کہ اگر اس دہشت گرد کا صفایا نہ کیا گیا تو یہ پیش قدمی کرنے والی سپاہ کے لئے رکاوٹ بنا رہے گا اور انہیں نقصان پہنچاتا رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ امجد رزاق نے ایک جست لگا کر اس کو دبوچ لیا اور سنگین کے وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ایک دہشت گرد کو جہنم واصل کر کے امجد دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔

ان جانبازوں نے بہت سے دہشت گردوں کو چن چن کر نشانہ بنایا۔ اسی دوران راکٹ لانچر سے لیس ایک دہشت گرد نے امجد اور اس کے ساتھیوں کی جانب ایک راکٹ داغ دیا جو ان جانبازوں کے بالکل قریب آ کر پھٹا۔ اسی راکٹ کے کچھ ٹکڑے امجد کے ایک ساتھی کو لگے جن کے باعث وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ امجد نے فوراً اپنے اس ساتھی کو بچانے کے لئے دوڑ لگا دی۔ جیسے ہی امجد اپنے ساتھی کے قریب پہنچا، چھپے ہوئے دہشت گردوں نے اس پر اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ متعدد گولیاں اس عظیم جانباز کے سینے کو چھلنی کرتی ہوئی گزر گئیں۔ امجد رزاق کے گرم و غیرت مند لہو کی دھار مٹی میں جذب ہو کر اسے مجاہد سے شہید کے رتبے پر فائز کر گئی۔ دہشت گردوں کو کیفر کردار پہنچانے اور مہران بیس کو محفوظ کرنے کے بعد جب امجد رزاق کے ساتھی اس کے جسد خاکی کو اٹھانے کے لئے آئے تو اس شہید کے چہرے پر پھیلا اطمینان اور سکون دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ چکا ہے۔ جرأت و بہادری کی اعلیٰ مثال قائم کرنے پر پاک بحریہ کی اعلیٰ قیادت نے امجد رزاق کو ستارۂ بسالت بعد از شہادت کے اعلیٰ اعزاز سے نوازا۔ ملک و قوم نے جو ذمہ داری اس کو سونپی تھی اس نے اسے پورا کر دیا۔ امجد رزاق کی قربانی تاحیات مشعل راہ ہے۔

بلند عزم، جری بدن، نظر میں خون
عظیم پیشہ بحر ہے میرا جنون
مانگے ہے پناہ مجھ سے ہر دم
غاصب و سفاک ہو یا دشمنِ ملعون

یوم دفاع
میرا
Falcon
جنگ ستمبر کے ہیرو
ایم ایم عالم کی منہ بولی بیٹی
خدیجہ محمود کی اپنے
'بابا' کے بارے میں ایک تحریر
BA330

مجھے لکھنا کبھی اتنا دشوار نہیں لگا جتنا اس وقت لگ رہا ہے۔ کیونکہ جس شخصیت کے بارے میں لکھنے کو کہا گیا ہے اس کا مقام میرے دل میں اور ہر محبِ وطن پاکستانی کے دل میں اتنا بلند ہے کہ اس شخص کی عظمت کے آگے نہ جانے کیوں اپنا ہر لفظ کم مایہ لگ رہا ہے اور بے یقینی کی وہ کیفیت ہے کہ نہ جانے حق ادا کر بھی پاؤں گی یا نہیں۔

محمد محمود عالم (M.M. ALAM) نام نہیں ایک عہد ہے۔ ایم ایم عالم سے میرا پہلا تعارف میری چھٹی جماعت کی اردو کی کتاب کے ایک باب یوم دفاع سے ہوا جس میں جہاں دیگر غازیان اور شہداء، میجر عزیز بھٹی شہید، سرفراز رفیقی شہید اور میجر شفقت بلوچ کا ذکر تھا، وہیں ایم ایم عالم کی اس فتح کا ذکر بھی تھا جس نے رہتی دنیا تک کے لئے ایک تاریخ رقم کردی تھی۔ ایک منٹ سے کم وقت میں دشمن کے پانچ جہاز مار گرائے۔ یہ ناقابل یقین واقعہ ہوابازی کی تاریخ میں ایک معجزہ قرار دیا گیا اور دیومالائی کہانیوں کی تاریخ میں ایک شہزادے کے تصور نے حقیقت کا روپ بھرتے ہوئے ایک جیتے جاگتے ہیرو کا خاکہ ذہن میں بُننا شروع کیا اور ایک کھوج لگی جاننے کی۔۔۔ اور یہ ایم ایم عالم صاحب آخر کن کے جانشین ہیں۔ پڑھنا شروع کیا۔ امیر البحر خیرالدین باربروسہ، قطیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور ایسے کئی لازوال کردار کے جن کا یہ شاہین پیروکار بنا، جس کی پرواز کی شان و شوکت کے قصے لازوال رہیں گے۔ وقت گزرتا رہا اور ایم ایم عالم سے ملنے کا جنون بڑھتا رہا۔ ایک نجی ٹی وی چینل کے لئے کچھ کام کر رہی تھی کہ مجھے چھ ستمبر پر دستاویزی فلم بنانے کا حکم ملا۔ ایم ایم عالم سے ملنے کی ایک امید نظر آئی۔ ایئرفورس کے پی آر ڈائریکٹوریٹ نے جن آفیسرز کے نام دیئے، جن کے پیغامات مجھے ریکارڈ کرنے تھے، ان میں ایم ایم عالم کا نام نہیں تھا۔ مجھے زندگی نے یہ ایک ہی موقع دیا تھا اپنے ہیرو سے ملنے کا اور میں کسی صورت اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میرے لئے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ 6 ستمبر یوم دفاع کا ذکر ہو، 1965 کی جنگ پر بات ہو اور ایم ایم عالم شامل نہ ہوں۔ بہت منت سماجت کی کہ صرف ایک جھلک دکھا دیں، درخواست قبول ہوئی اور زندگی کا ایک اور باب کھلا۔ 4 ستمبر 2005 کو پی اے ایف بیس فیصل میں فالکن 2 بلاک میں کونے والے کمرے میں، جہاں اس شاہین کا بسیرا تھا، کہ جس کا مقروض آج بھی پورا پاکستان ہے، اور تاقیامت رہے گا، اپنی ٹیم کے ساتھ پہنچی۔ عالم صاحب سے اس کارنامے کی بات شروع ہوئی کہ جس پر آج تک عقل حیران رہتی ہے۔ آواز میں وہی جوش اور ولولہ تھا۔ غازیٔ ملت ایم ایم عالم جب وہ واقعہ سنا رہے تھے تو کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ 40 برس قبل کا ذکر ہے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی 40 سیکنڈ قبل دشمن کے 5 جہازوں کو نیست و نابود کر کے لوٹے ہیں، لیکن ان الفاظ کے بعد ایک خاموشی چھا گئی "ہم تو لوٹ آئے۔ رفیقی اپنے رفیق کے ساتھ شہید ہو گئے۔" ریکارڈنگ ختم کرنے کے بعد میں نے عالم صاحب سے پوچھا کیا دوبارہ ملاقات کا اعزاز مل سکتا ہے۔ انہوں نے کاغذ پر اپنا نمبر لکھا اور مجھے دیتے ہوئے کہا۔ فون کر کے معلوم کر لیجئے گا۔ اگر آپ کی ڈاکومنٹری ہمیں اچھی لگی تو دوبارہ ضرور ملیں گے۔

بہت عجیب شرط رکھ دی گئی ملاقات کی۔ دو دن بعد 6 ستمبر کو ڈاکومنٹری آن ایئر ہوئی۔ 7 ستمبر کو ڈرتے ڈرتے فون کیا۔ اپنا تعارف کروایا۔ جواب ملا! ہاں ہاں، ہمیں یاد ہے، کب آنا چاہیں گی؟ "سر آج ہی آ جاؤں" کچھ ہمت بندھی۔ "ہاں عصر کے بعد آ جایئے گا۔" اور میرے منہ سے اس وقت وہ الفاظ نکل گئے جن سے میں بچپن سے اپنے ہیرو کو بلایا کرتی تھی۔ "Thank you so much Falcon" شام کو اپنی امی کے ساتھ ملنے گئی۔ ایک طویل نشست کے بعد جب اجازت چاہی تو کہنے لگے۔ "ہماری بیٹی بنوگی۔" بہت عرصے بعد یوم دفاع پر کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس کو دیکھ کر ایک بار پھر یقین ہو گیا کہ ابھی بھی مٹی زرخیز ہے۔ یہ کہا اور "ہمیشہ خوش رہو بیٹا۔" کہہ کر میرا ماتھا چوم لیا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہ کیا دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں۔ پھر وہ ساری دنیا کے لئے ایم ایم عالم صاحب رہے۔ لیکن میرے فالکن تھے۔ اور اسی نام سے آخری وقت تک میں انہیں پکارتی رہی۔ 7 ستمبر 2005 کو اس شاہین نے اپنے پروں کی پُرشفقت آغوش میں بیٹی کہہ کر ایسا سمیٹا کہ پھر ہر اتوار کو ایک سے دو گھنٹے جا کر ان کے پاس بیٹھنا لازمی ہو گیا۔ بہت کچھ سیکھا ان سے اور کچھ ایسی چیزوں کا تجربہ ہوا جو عام انسان کی عقل ذرا مشکل سے ہی تسلیم کرتی ہے۔ شہید کا جو رتبہ ہے اور اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام واکرام کس طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ ہماری دنیاوی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن ایک غازی اور مجاہد کا چہرہ کیسا ہوتا ہے اس کے چہرے سے نور کی کیسی کرنیں پھوٹتی ہیں، یہ میں نے اپنے Falcon کو دیکھا اور سیکھا کہ آنکھوں سے جو شعاعیں نکلتی ہیں ان کی آنکھوں میں زیادہ دیر تک نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ صحیح کہا تھا اقبال نے

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

Falcon کے ساتھ گفتگو کرتے وقت جب پاکستان کا ذکر آتا تو وہ ہمیشہ ہی کہتے لوگ سمجھتے تھے کہ ہم بنگلہ دیش چلے جائیں گے۔ آپ دیکھئے گا ہم پاکستان کی مٹی میں ہی دفن ہوں گے۔

میں ان دنوں ایک یونیورسٹی میں پڑھاتی تھی اور ہر 6 ستمبر کو میں اپنے طالب علموں کے ساتھ Falcon کو سلیوٹ کرنے جاتی تھی کہ آج کی نسل کو بھی یاد رہے کہ ہماری تقدیر امم شمشیر وسنان ہے طاؤس ورباب نہیں۔ Falcon ان کو بھی یہی کہتے تھے کہ کبھی مایوس نہ ہونا، جو کر سکتے ہو پاکستان کے لئے وہ ضرور کرنا، یہ مت سوچنا کہ ہمارے اکیلے کر لینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ پھر وہ ہم سب کو ٹافیاں دیتے تھے جو وہ میرے لئے سنبھال کر رکھتے تھے۔ ان کے کمرے میں ایک ٹافیوں کا جار رکھا ہوتا تھا اور میں وہ ٹافیاں تبرک سمجھ کر کھاتی تھی۔

لکھنے بیٹھوں اور صفحوں کے صفحے بھر جائیں لیکن الفاظ اور ذہن ساتھ نہیں دے

رہے۔ آنسوؤں کی دھند کے پار صفحہ دھندلا ہو رہا ہے۔ یہ سوچ کر کہ Falcon یہ مضمون میں آپ کی یاد میں لکھ رہی ہوں۔

اور پھر ایک دن خبر ملی کہ دنیا کا عظیم جنگی ہیرو ایم ایم عالم بسترِ علالت پر ہے۔ میں رہ نہ سکی۔ کس طرح پی این ایس پہنچی؟ یہ ایک الگ کہانی ہے۔ وہاں جا کر جب Falcon کو بستر پر دیکھا تو آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی۔ کیونکہ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں ملنے جاؤں اور Falcon دروازے پر کھڑے میرا انتظار نہ کر رہے ہوں۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور تھوڑی کمزور آواز میں بولے ''آپ جانتی ہیں، ہم اپنی بیٹی کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، کیوں تکلیف دے رہی ہیں ہمیں۔ آیئے ہمارے ساتھ بیٹھیں اور پھر اپنے کاندھے سے میرا سر لگا کر بولے ''بیٹیاں مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔''

کچھ دن کے بعد عید آ گئی۔ عید بھی اپنے Falcon کے ساتھ منائی۔ دو تین دن کے بعد خبر ملی کہ طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے اور ICU میں داخل ہو گئے ہیں۔ بہت کوشش کے باوجود نہ بات ہو سکی نہ ملنے کی اجازت ملی۔

ایک دن Falcon کے نمبر سے فون آیا، کوئی ڈاکٹر صاحب تھے کہ سر عالم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مختصر بات کیجئے گا۔ میں نے بات کی ان کی نحیف آواز آئی ''ہماری بیٹی کیسی ہے؟'' میں رو پڑی پھر یہ آواز آئی ''آپ روئیں نہیں' آپ کی ہنستی ہوئی آواز ہمیں اچھی لگتی ہے۔ جب آپ سے بات نہیں ہوتی تو آپ کی آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے، آپ کی ٹافیاں بھی رکھی ہیں'' اور پھر ان کی سانس اکھڑنے لگی۔ ڈاکٹر نے اُن سے فون لے کر مجھے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

18 مارچ 2013 صبح آٹھ بجے مجھے فون آیا اور بتایا گیا کہ وہ شاہین جس نے اتنے سال مجھے اپنے پروں کی آغوش میں رکھا، وہ اپنی ابدی منزل کی جانب پرواز کر گیا ہے۔ ہم ابھی جنازے کی خبر کا اعلان نہیں کر رہے لیکن آپ کو وہ بیٹی بلاتے تھے، اس لئے اُن کی آخری رسومات کے لئے جو ماڑی پور ایئر بیس میں ہونی ہیں، ہماری گاڑی آپ کو لینے آ جائے گی۔ میں نے انکار کر دیا کہ Falcon میرے دل میں زندہ ہے اور زندوں کی آخری رسومات نہیں ہوتی۔ میں سارا دن ٹی وی چینلز دیکھتی رہی کہ کہیں تو کوئی خاص رپورٹ میرے Falcon کے کارناموں پر چل رہی ہو۔ لیکن نہیں، کہیں پر بھارتی گانوں پر مارننگ شو کی میزبان رقص کر رہی تھیں، کہیں سیاست دان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے الزام تراشیوں پر اترے ہوئے تھے اور اس شور و غوغا میں غلطی سے ایک Scroll چل جاتا تھا کہ 1965 کے جنگی ہیرو ایم ایم عالم انتقال کر گئے۔ میں سوچتی رہی کہ اگر آج کوئی انڈین اداکار مرتا' یا کسی کھلاڑی کی تیسری شادی ہوتی تو ہر چینل بڑھ چڑھ کر رپورٹنگ کر رہا ہوتا۔ لیکن کیا کریں Falcon!

کرگسوں کے مندر میں زر، زمیں کی پوجا ہے
کچھ پتہ نہیں چلتا کب عقاب مرتے ہیں
کرگسوں کی بستی میں ذکر تک نہیں ہوتا
پر فضا تڑپتی ہے جب عقاب مرتے ہیں

میں آج تک Falcon کی قبر پر نہیں گئی۔ کچھ لوگ طعنہ بھی دیتے ہیں کہ دو سال ہو گئے تم ایک بار بھی اپنے Falcon کی آخری آرام گاہ پر نہیں گئی۔ ہاں Falcon میں نہیں آئی آپ کی قبر پر...... اور نہ ہی آؤں گی۔

تمہاری قبر پر میں فاتحہ پڑھنے نہیں آیا
مجھے معلوم تھا تم مر نہیں سکتے
تمہاری موت کی سچی خبر جس نے اڑائی تھی
وہ جھوٹا تھا
وہ تم کب تھے
کوئی سوکھا ہوا پتہ ہوا سے مل کے ٹوٹا تھا
تمہاری قبر پر جس نے تمہارا نام لکھا تھا
وہ جھوٹا تھا
تمہاری قبر میں میں دفن ہوں
تم مجھ میں زندہ ہو
کبھی فرصت ملے تو فاتحہ پڑھنے چلے آنا

صلۂ شہید کیا ہے تب وتابِ جاودانہ

تحریر: صوبیدار اکبر حسین

جو قومیں اپنے شہداء کو بھلا دیتی ہیں وہ تاریخ کے اوراق سے حرفِ غلط کی طرح مٹادی جاتی ہیں اور جو اپنے شہداء کے تذکرے اور ان کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہیں' ان میں کبھی کم ہمت' بزدل اور پست ذہن اشخاص نہیں ہوتے۔

حوالدار میجر فضل حسین یکم نومبر 1971 کو آزاد کشمیر ضلع بھمبر کے ایک گاؤں بوٹ (شرقی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری سکول بوٹ سے حاصل کی۔ میٹرک اور ایف اے کا امتحان کڈیالہ کالج سے پاس کیا۔ ان کی شادی 1988 میں ہوئی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی فوزیہ اور ایک بیٹا مظفر عطا کیا۔ فضل حسین 15 اگست 1991 کو آزاد کشمیر رجمنٹل سنٹر مانسر میں بھرتی ہوئے۔ ابتدائی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد ان کی پوسٹنگ 3 آزاد کشمیر رجمنٹ میں ہوئی۔ 1995 میں جونیئر لیڈر کورس کامیابی سے مکمل کیا جس کے بعد 1996 میں ان کی پوسٹنگ 10 آزاد کشمیر رجمنٹ میں ہوئی۔ وہ ایک ذہین اور فرض شناس سپاہی تھے۔ ان کے انہی اوصاف کی وجہ سے اُن کو انٹیلی جنس سیکشن میں رکھا گیا۔ یہاں وہ نائیک اور پھر حوالدار کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1999 میں جب وہ حوالدار بنے تب ان کی پوسٹنگ چارلی کمپنی میں کردی گئی۔ جہاں پہلے انہوں نے پلاٹون حوالدار کے فرائض سرانجام دیئے۔ بعد ازاں کمپنی حوالدار میجر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ان کے اندر فرض شناسی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ہردلعزیز تھے۔ انہوں نے آپریشن المیزان میں کٹھن حالات میں بھی اپنی محنت اور لگن سے نہ صرف اپنے بلکہ اپنی کمپنی اور یونٹ کے لئے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

آپ کی بٹالین 10 اے کے زندہ دل رجمنٹ کو آپریشن شیر دل میں بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھانے کے بعد جانی خیل میں آپریشن برشنا' جو انتہائی مشکل آپریشن تھا' کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی۔ کیونکہ جانی خیل کو عسکریت پسندوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا اور بنوں اور اس کے گردونواح میں ہوانے والی تمام تخریبی کارروائیوں سے نمٹنے کے لئے اس کے سوا کوئی حل نہ تھا کہ جانی خیل کا آپریشن کیا جائے اور جانی خیل قلعے کو قبضے میں لے کر اس تمام ایریا کو کنٹرول کیا جائے۔

زندہ دل رجمنٹ نے سارہ بنگلہ' زندی اکبر' ہندی خیل' مالی خیل اور جانی خیل کے علاقوں کے بڑی کامیابی سے کلیئر کیا۔ یہ آپریشن دو مراحل میں مکمل کیا گیا پہلے مرحلے میں سارہ بنگلہ اور زندی اکبر کو بی کمپنی اور سی کمپنی نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ جبکہ دوسرے مرحلے میں الفاء کمپنی اور ڈیلٹا کمپنی نے ہندی خیل' مالی خیل اور جانی خیل کا سرچ آپریشن کر کے جانی خیل قلعہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اس آپریشن کو بڑی کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا لیکن عسکریت پسندوں کا گڑھ ہونے کی وجہ سے زندہ دل پلٹن کو ہر وقت مختلف قسم کے حملوں کا سامنا رہتا تھا۔ اس کے باوجود بھی یہاں پر مسلسل پیٹرولنگ کا سلسلہ جاری رہتا تھا تاکہ دہشت گرد منظم ہو کر کوئی کارروائی نہ کر سکیں۔

15 اگست 2009 کو شام ساڑھے سات بجے جانی خیل قلعہ پر عسکریت پسندوں کی طرف سے متواتر فائر آنا شروع ہوگیا جس کا جواب زندہ دل کے سپوتوں نے پوری قوت سے دیا۔ اس دوران حوالدار میجر فضل حسین اپنی کمپنی کو ایمونیشن کی ترسیل کر رہے تھے کہ مارٹر کا ایک گولہ ان کے قریب آ گرا۔ جس سے حوالدار میجر فضل حسین شدید زخمی ہوگئے۔ ابتدائی طبی امداد کے بعد ان کو سی ایم ایچ بنوں منتقل کر دیا گیا جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے۔

حوالدار میجر فضل حسین نہ صرف زندہ دل رجمنٹ بلکہ افواجِ پاکستان کے لئے بھی سرمایہ افتخار تھے۔ ان کی وطن کے لئے قربانی تاابد یاد رکھی جائے گی۔

65ء کی جنگ کے ادبی ہیرو
صوفی تبسم

زاہد مسعود

میں ان خوش قسمت بچوں میں سے نہیں ہوں جو صوفی تبسم کو ٹوٹ بٹوٹ کے حوالے سے جانتے پہچانتے ہیں تاہم میں نے ان کا نام بچپن میں ہی سن لیا تھا۔ میرے ایک تایا تھے جو 1934 میں گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے بلکہ سٹوڈنٹ یونین کے سیکرٹری بھی تھے۔ ہوا یوں کہ دوران تعلیم ان کو ٹی بی کا مرض لاحق ہوگیا۔ اس زمانے میں علاج معالجہ کی کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ جس روز ان کی گریجویشن کے امتحان میں نمایاں حیثیت سے کامیابی کا پروانہ ملا، ان کا جسد خاکی گھر کے صحن میں پڑا تھا۔ ان کے اتالیق قاضی اعظم صاحب نے ان کی کچھ چیزیں تاعمر سنبھال کر رکھی تھیں جن میں ایک پھٹا پرانا بلیزر، گورنمنٹ کالج کے بی ایس سی کے اس سیشن کے طلبا کا الوداعی گروپ فوٹو، ایک چھوٹی طبع شدہ ڈائریکٹری بھی تھی جو انھوں نے میرے والد اور دادی کے حوالے کی۔ اس ڈائریکٹری میں صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کا نام درج تھا وہ غالباً 1934 میں گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم تھے اور مجلس فارسی کے صدر بھی تھے۔ یہ صوفی تبسم سے میرا پہلا تعارف تھا۔ اس کے بعد پرانے نغموں میں نسیم بیگم کی گائی ہوئی ان کی غزل ''سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی'' ٹوٹ بٹوٹ اور پھر 1965 کی جنگ میں ان کے لکھے ہوئے اور نور جہاں کے گائے ہوئے لافانی گیت...... 1965 کی جنگ میں تو صوفی صاحب ایک ادبی ہیرو کے طور پر نمایاں ہوئے۔ وہ ریڈیو پاکستان کے ساتھ بطور سٹاف آرٹسٹ وابستہ تھے۔ مادام نور جہاں ملی جذبات سے معمور ہو کر ریڈیو پاکستان پہنچ گئیں۔ صوفی صاحب ملی نغمہ لکھتے، اسی وقت اس کی دھن بنتی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ترانہ ہوا کی لہروں کے دوش پر سوار محاذ جنگ پر وطن کی خاطر لڑنے والے مجاہدوں کے دلوں کو گرما دیتا۔ میڈیا اور ثقافت کے محاذ پر صوفی صاحب اور مادام نور جہاں کی وجہ سے پاکستان نے 65 کی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ وہ ترانے نہ صرف سپاہیوں کا خون گرماتے بلکہ عام شہریوں، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے جذبات کی بھی ترجمانی کرتے۔۔

؎ میریا ڈھول سپاہیا تینوں رب دیاں رکھاں

؎ ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے

جیسے ملی نغمے 65ء کی جنگ کے باب کا عنوان بن گئے۔ آج بھی جب ہر سال چھ ستمبر آتا ہے تو اس کا استقبال انہی ترانوں سے کیا جاتا ہے جو اس خوبصورت دور کی یادوں کو تازہ کرتے ہیں۔ میں نے آخری بار صوفی صاحب کو PTV پر اقبال کے کلام کی تفہیم کرتے دیکھا اور اس کے بعد اس وقت جب وہ اپنے سمن آباد والے گھر میں دنیا سے ناتا توڑ کر سکون کی نیند سو رہے تھے۔

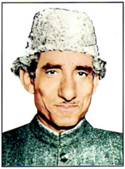

علمی و ادبی حلقوں میں صوفی صاحب کے بارے میں محبت بھرے تذکروں نے میرے ذہن میں ان کا ایک ایسا نقش قائم کیا جو ایک انتہائی پڑھے لکھے، روشن خیال اور متحرک بزرگ، ادبی شخصیت کے طور پر اب تک تازہ ہے اور آنے والا ہر دن ان کی عظمت کے گراف کو بلند کرتا ہے۔

صوفی صاحب نے اپنی محنت سے حاصل کردہ علم کو 'گھرانوں کی گائیکی' کی طرح اپنے تک محدود نہیں رکھا تھا۔ انہوں نے تشنہ گان علم و ادب کا بہت خیال رکھا اور آنے والی کئی نسلیں ان سے استفادہ کرتی رہیں۔ فیض احمد فیض ٹیکنیکل شعری معاملات میں صوفی صاحب سے مشاورت کرتے تھے۔ بلکہ بقول کشور ناہید ان کی فارسی دانی پر علامہ اقبال کو بھی اعتبار تھا۔ بہت سوں نے صوفی صاحب کی علمیت اور مہارت سے استفادہ کیا۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ بیشتر استفادہ کنندگان صوفی صاحب کو فراموش کر گئے بلکہ بعض تو ان کا نام بھی لینے سے 'احتیاطاً' گریز کرنے لگے تاکہ ان کی خود ساختہ ادبی حیثیت پر کوئی حرف نہ آئے۔

صوفی صاحب کو بھرپور طریقے سے یاد کیا تو دو لوگوں نے ایک کشور ناہید اور دوسرے آفتاب احمد خاں نے۔ کشور ناہید کی وابستگی صوفی صاحب کے ساتھ اس قدر زیادہ تھی کہ اس نے اپنی تمام کامرانیوں کا کریڈٹ تحریراً صوفی صاحب کو دیا جو لائق تحسین بات ہے۔ آفتاب احمد خاں نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''بیادِ صحبت نازک خیالاں'' میں گورنمنٹ کالج لاہور اور نیازمندان لاہور کے حوالے سے دیگر شخصیات کے علاوہ صوفی تبسم صاحب کو بھی خراج تحسین پیش کیا۔ یہ دونوں خاکہ نما مضامین انتہائی خوبصورت ہیں اور صوفی صاحب کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں۔

صوفی صاحب کو یاد کرنے والوں کی شہر میں کمی نہیں۔ اگر انہیں یاد کرنے میں سستی کرتے ہیں تو اہل ادب جبکہ فلم، ریڈیو، گیت اور موسیقی کے ساتھ منسلک لوگ آج بھی صوفی صاحب کی یادوں سے معمور پھرتے ہیں۔ فریدہ خانم سے ہی بات کر کے دیکھ لیں.......... صوفی صاحب کے ذکر پر ان کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔

حلقہ ارباب ذوق لاہور میں امجد طفیل کا کریڈٹ ہے کہ وہ گم گشتہ ادبی شخصیتوں کو یاد کرنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ صوفی تبسم اکیڈمی بھی اپنے منشور میں تھوڑی سی تبدیلی لائے اور سال میں ایک ''مجلس اقبال'' کرنے کے بعد معاملہ ''قوالوں'' پر نہ چھوڑے' ان کے کرنے کے بہت سے کام ہیں' صوفی صاحب کے معرکۃ الآرا گیتوں اور غزلوں کو جمع کر کے کوئی البم جاری کیا جا سکتا ہے۔ صوفی صاحب کے بارے میں بچے کچھے لوگوں کی یادوں کو ریکارڈ کر کے ایک اچھی کتاب شائع کرائی جا سکتی ہیں۔ تا کہ سند رہے.......... اقبال پر ان کے لیکچر تلاش کیے جا سکتے ہیں اور ان کی اشاعت کا اہتمام ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے ڈھیروں کام کئے جا سکتے ہیں۔ ٹوٹ بٹوٹ کی آڈیو کیسٹ کے بعد وڈیو کیسٹ بھی مارکیٹ کی جا سکتی ہے۔ صوفی صاحب کے حوالے سے ایک دستاویزی فلم بنائی جا سکتی ہے اور یہ تو فوزیہ تبسم کا گھریلو معاملہ ہے۔ وہ کئی ڈراموں کی مصنف اور ڈائریکٹر ہیں اور حتیٰ کہ ان کے شوہر آغا شاہد جو ڈرامہ ''اج آکھاں وارث شاہ نوں'' میں وارث شاہ کا کردار ادا کر کے دیگر ناظرین کے علاوہ فوزیہ تبسم سے بھی داد لے چکے ہیں..........

صوفی صاحب کی یاد میں کمی لاہوری کلچر کی تباہی سے منسلک ہے۔ کمرشل ازم سب کچھ کھائے جا رہا ہے اور ہم سب مزے سے دیکھ رہے ہیں۔ جدیدیت کی ''خودسوزی'' میں سینہ بہ سینہ پہنچنے والے اقدار کی منتقلی کے نظام کا خاتمہ بھی اس کی وجہ ہے۔ یہ ایک طویل اور لاحاصل موضوع ہے لہٰذا اشارہ کرنا ہی کافی ہے۔

---

mkslucky786@yahoo.com

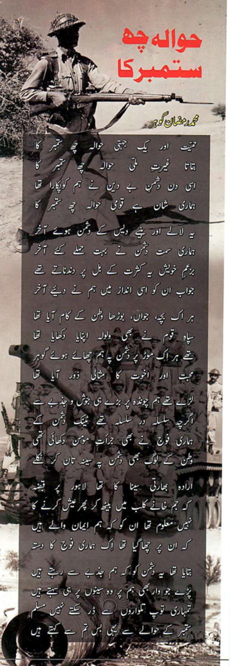

حوالہ چھ ستمبر کا

محمد رمضان گوہر

حمیت اور یک جہتی حوالہ چھ ستمبر کا
بتاتا غیرتِ ملی حوالہ چھ ستمبر کا
اسی دن دشمنِ بے دین نے ہم کو پکارا تھا
ہماری شان ہے قومی حوالہ چھ ستمبر کا

یہ لالے اور بنیے دیس کے دشمن ہوئے آخر
ہماری سمت دشمن نے بہت حملے کیے آخر
بزعمِ خویش یہ کثرت کے بل پر دندناتے تھے
جواب ان کو اسی انداز میں ہم نے دیئے آخر

ہر اک بچہ، جواں، بوڑھا وطن کے کام آیا تھا
سپاہِ قوم نے بھی ولولہ اپنایا دکھایا تھا
تھے ہر اِک موڑ پر دشمن پہ ہم چھائے ہوئے گوہر
محبت اور اخوت کا مثالی دور آیا تھا

لڑے تھے ہم چونڈہ پر بڑے ہی جوش و جذبے سے
اگرچہ سلسلہ در سلسلہ تھے ٹینک دشمن کے
ہماری فوج نے بھی جرأتِ مومن دکھائی تھی
وطن کے لوگ بھی دشمن پہ سینہ تان کر نکلے

ارادہ بھارتی سینا کا تھا لاہور پر قبضہ
کہ جم خانے کلب میں بیٹھ کر پھر عیش کرنے کا
نہیں معلوم تھا ان کو کہ ہم ایمان والے ہیں
کہ ان پر چھا گیا تھا اِک ہماری فوج کا دستہ

بتایا تھا یہ دشمن کو کہ ہم جذبے سے رہتے ہیں
پڑے جو وار بھی ہم پر وہ سینوں پر ہی سہتے ہیں
تمہاری توپ تلواروں سے ڈر سکتے نہیں مسلم
ستمبر کے حوالے سے یہی بس تم سے کہتے ہیں

فوجی پاکستان کا

نوبزادہ صمصام الدین خان

دیکھو دیکھو آتا ہے فوجی پاکستان کا
بندہ ہے فرمان کا مولا ہے میدان کا

کتنی پیاری آن کا کتنی اونچی شان کا
پرتو ہے قرآن کا سایہ ہے سبحان کا

رنگ میں رنگ لالہ ہے، انگ میں سرو بالا ہے
بانکا جیسے تیغا ہے سیدھا جیسے بھالا ہے

جوان ہشدہ سالہ ہے آفت کا پر کالا ہے
شعلہ جوالہ ہے بھک سے اڑنے والا ہے

غم کا کھانے والا ہے غصہ پینے والا ہے
چوٹ کو سہنے والا ہے چاک کو سینے والا ہے

چارہ ہے لاچاروں کا' حوصلہ ہمت ہاروں کا
پُرساں ہے بیماروں کا داتا ہے ناداروں کا

یار ہے اپنے یاروں کا پیار ہے اپنے پیاروں کا
تحفہ ہے دلداروں کا' گلشن ہے بے خاروں کا

خاتمہ کرنے اٹھا ہے دنیا کی بربادی کا
ہاتھ میں جھنڈا رکھتا ہے عالم کی آزادی کا

دشمن ہے وہ ظالم کا یاور ہے فریادی کا
بانا لے کر نکلا ہے اپنے سچے ہادی کا

صدق و صفا کا مظہر ہے مہرو وفا کا مصدر ہے
پُتلا ہے قربانی کا عشق کا زندہ پیکر ہے

ایک خدا کا مومن ہے باقی سب کا منکر ہے
آپ ہی اپنا ساماں ہے تنہا اپنا لشکر ہے

ناحق سے وہ اڑتا ہے حق پر اپنے لڑتا ہے
پہلے مکا کھاتا ہے پیچھے مکا جڑتا ہے

اڑے تو ایسے اڑتا ہے جیسے کھونٹا گڑتا ہے
لڑے تو ایسے لڑتا ہے دس پر بھاری پڑتا ہے

جب خون کے بادل اٹھتے ہیں جب جنگ کی آندھی آتی ہے
جب ملک کے اونچے نیچے پر بیم فنا چھا جاتی ہے

جب فیصلہ ہائے قسمت سے کلک قضا گراتی ہے
ایسے حال میں فوجی کی ہمت مژدہ لاتی ہے

جہاد کا جھنڈا اڑتا ہے طبل جنگ کڑکتا ہے
کرنا چلا لیتی ہے تکبیر کا نعرہ کڑکتا ہے

شعلۂ جوش مجاہد سے لشکر سارا بھڑکتا ہے
دشمن کی تو ہستی کیا میدان کا دل بھی دھڑکتا ہے

جنرل ان کا آگے ہے لشکر سارا پیچھے ہے
عزم کا دریا آگے ہے اور کنارہ پیچھے ہے

دین ہی ان کا آگے ہے ٹینک غبارہ پیچھے ہے
رب کا سہارا آگے ہے سب کا سہارا پیچھے ہے

پربت کی سی بلندی ہے دریا جیسی پستی ہے
آگے توپ گرجتی ہے سر پر آگ برستی ہے

ہر سُو شعلے اڑتے ہیں دوزخ محوِ مستی ہے
فوج اعداء کہتی ہے کسی کی یاں کیا ہستی ہے

ادھر سے حملہ ہوتا ہے ہلا بلا ہوتا ہے
آج مقابل دشمن کا کلے سے کلا ہوتا ہے

سینے سے سینہ ہوتا ہے بلے سے بلا ہوتا ہے
دیکھئے یارب اب کس کا بھاری پلّا ہوتا ہے

عادیات ضبحاً، موریاتِ قدحاً
روحِ محمد ﷺ آتی ہے دینے تجھ کو جان و تن

دے دے نقلی جان و تن لے لے اصلی جان و تن
مولا تیرا مہربان ہیچ ہے تیرا دشمن

آگ میں کودا یاعلیؑ خون میں ڈوبا یاعلی
اس کو ہارا یاعلی میدان جیتا یاعلی

مورچہ توڑا یاعلیؑ جھنڈا چھینا یاعلی
لڑتا بھڑتا لے ہی گیا یار کا وعدہ لے ہی گیا

تن من دین کی باری سے انا فتحنا لے ہی گیا
آج غزالِ جنت کو' شیرِ خدا کا' لے ہی گیا

فوجی پاکستان کا آخر تمغہ لے ہی گیا
عرش کے کنگرے کنگرے پر کام یہ لکھا جائے گا

فرش کے ذرے ذرے پر نام یہ لکھا جائے گا
لوحِ ابد کے ماتھے پر صمصام یہ لکھا جائے گا

آغاز یہ لکھا جائے گا انجام یہ لکھا جائے گا
اُٹھو اُٹھو آتا ہے فوجی پاکستان کا

نوٹ: اس نظم کے خالق نوابزادہ صمصام الدین احمد خان مرحوم ہیں جن کا تعلق ریاست لوہارو کے حکمران خاندان سے تھا۔ یہ نظم انہوں نے 1951ء میں قلمبند کی تھی۔ اس نظم کا پس منظر پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم شہیدِ ملت لیاقت علی خان کا ہندوستان کے وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو کو اس وقت مکا دکھانا ہے جب ہندوستان کی افواج پاک بھارت سرحد پر خیمہ زن ہوئی تھیں۔

برطانوی ہند میں پاکستان کا قومی ترانہ

پروفیسر فتح محمد ملک

انجمن ترقی پسند مصنفین بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مختلف الخیال حریّت پسند ادیبوں کے متحدہ محاذ کی صورت میں وجود میں آئی تھی۔ اِس میں جہاں پنڈت نہرو کے انند بھون میں عرصہ دراز تک مقیم رہ کر اُن کے پرسنل سٹاف میں کام کرنے والے میاں بیوی محمود الظفر اور رشید جہاں سرگرم عمل تھے' وہاں مولانا حسرت موہانی کا سا صوفی مومن بھی فعال تھا۔ مختلف تصورات اور خیالات کے حامل یہ سب افراد سیاسی آزادی، معاشی انصاف اور معاشرتی اخوت و مساوات کے اصولوں پر متحد ہوئے تھے مگر ایک دو سال کے اندر اندر اِس پر کمیونسٹ نظریہ سازوں کی آمریت مسلّط ہو گئی۔ تخلیق کار اپنی دُھن میں تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے مگر یہ غیر تخلیقی اشترا کی نظریہ ساز اِن کی جا و بے جا گرفت میں مصروف رہتے تھے۔ تخلیق کی آزادی پر یہ قدغن جوزف سٹالن کی متشددانہ حکمتِ عملی اور سوویٹ رائٹرز یونین کی کورانہ تقلید پر مبنی تھی۔

ہندوستان کی انجمن ترقی پسند مصنفین میں پنڈت نہرو کے اثر و رسوخ اور کمیونسٹ پارٹی کے تسلط کی نمایاں ترین مثال پاکستان کا وہ قومی و ملی ترانہ ہے جسے مخدوم محی الدین اپنے منسوخ کلام میں شامل کرنے پر مجبور کر دیے گئے تھے۔[1] یہ پاکستان کا وہ قومی و ملّی ترانہ ہے جس کی گونج سن چالیس کی دہائی میں پورے برصغیر میں یہاں وہاں سُنائی دینے لگی تھی۔ اِس کی تخلیق مخدوم محی الدین اور اسرار الحق مجاز کا مشترکہ کارنامہ بتایا جاتا ہے۔ یہ ترانہ مجاز کے مجموعہ کلام ''شب تاب'' میں شامل ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کے نزدیک:

> ''مجاز کے اِس مجموعہ کلام کی ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مجاز نے اِس کا انتساب 23 مارچ 1945ء کو لکھا تھا۔ 23 مارچ کے بجائے اُنھوں نے ''یومِ پاکستان'' لکھنا پسند کیا۔ عبارت کی ترتیب یوں ہے:
>
> عصمت کے نام
>
> مجاز
>
> یومِ پاکستان۔ دلّی مارچ 1945ء......''[2]

شفقت رضوی اپنی کتاب بعنوان ''مخدوم محی الدین: حیات اور ادبی خدمات'' میں لکھتے ہیں کہ ''یہ ترانہ پاکستان مخدوم اور مجاز کی مشترکہ شعری کاوش ہے۔'' نظر حیدر آبادی اسے مخدوم کی تخلیق بتلاتے ہیں۔ مخدوم سے ذاتی واقفیت اور جس مشاعرے میں مخدوم نے اِسے سُنایا تھا' اُس میں موجودگی کی بناء پر اُن کے بیان کو مصدقہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ نظر نے لکھا ہے: مخدوم نے ''ترانہ پاکستان'' بھی لکھا تھا جسے مجاز نے اپنی دماغی علالت کے زمانے میں تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر دیا تھا۔ اِس کی اشاعت کے فوراً بعد کمیونسٹ پارٹی کے مشہور اخبار ''نیا زمانہ'' بمبئی نے حقیقتِ حال کا انکشاف کر دیا تھا۔[3] صحیح صورتِ حال کا انکشاف مرزا ظفر الحسن نے کیا ہے۔ اکتوبر 1945ء میں جب کُل ہند ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس حیدر آباد دکن میں منعقد ہوئی ظفر الحسن دکن ریڈیو سے وابستہ تھے۔ اِس موقع پر دکن ریڈیو نے کُل ہند مشاعرے کا اہتمام کیا۔ وہ اِس کے منتظمین میں شامل اور مشاعرے میں موجود تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم نے اِسی میں اپنی نظم 'پاکستان ہمارا' نشر کی۔[4] مرزا ظفر الحسن نے اپنی ایک اور کتاب میں مزید وضاحت کی ہے کہ مشاعرہ ختم ہونے کے بعد کرشن چندر نے مجھ سے کہا حیدر آباد ریڈیو بڑا ترقی پسند سٹیشن ہے۔ اگر تم یہ نظم آل انڈیا ریڈیو سے نشر کرواتے تو انگریز تمھیں اور تمھارے پورے خاندان کو سولی پر لٹکا دیتے۔[5]'' کامریڈ کے ایل مہندرا کمیونسٹ پارٹی میں مخدوم کے دیرینہ رفیقِ کار تھے۔ اُنھوں نے مخدوم محی الدین پر اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

> ''پارٹی نے پاکستان کی تحریک کی حمایت شروع کر دی تھی لیکن بعد میں نظرثانی کے بعد حمایت ترک کر دی۔ انھوں نے (مخدوم نے) وہ نظم لکھی جس میں ''پاکستان ہمارا'' کے نعرہ کو ایک عوامی نعرہ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا تھا۔ مخدوم کو پارٹی کے فیصلوں میں نظرثانی کے بعد اِس نظم کے مضمرات پر بھی غور کرنا پڑا اور انھوں نے اپنے کلام سے خارج کر دیا مگر عرصہ تک یہ نظم محفلوں اور مجلسوں میں دادِ تحسین حاصل کرتی رہی۔[6]''

شفقت رضوی صاحب نے اپنی اِسی کتاب میں صورتِ حال پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: ''ترانہ پاکستان عرصہ تک کمیونسٹ پارٹی کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے مزدوروں کے جلسوں میں بھی پڑھا جاتا رہا۔ ممکن ہے مجاز نے اِس میں لفظی ردوبدل بھی کیا ہو لیکن اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مخدوم کی شعری کاوش ہے اور وہ ایسے ترقی پسند شاعر تھے جو قیامِ پاکستان کے حامی تھے۔[7]'' اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو شاعروں کی مشترکہ تخلیق ''پاکستان کا ملی ترانہ'' کا مکمل متن زیرِ غور لائیں:

آزادی کی دُھن میں کِس نے آج ہمیں للکارا
خیبر کے گرُدوں پر چمکا ایک ہلال اک تارا
سبز ہلالی پرچم لے کر نکلا لشکر سارا
پربت کے سینے سے پُھوٹا کیسا سرکش دھارا
سرمائے کا سُوکھا جنگل اُس میں سُرخ شرارا

پاکستان ہمارا
پاکستان ہمارا
پاکستان ہمارا

سو انجیلوں پر ہے بھاری اک قرآن ہمارا
روک سکا ہے کوئی دشمن کب طوفان ہمارا
ہر تُرک اپنا، ہر حُر اپنا، ہر افغان ہمارا
ہر شخص اک انسان یہاں ہے ہر اِنسان ہمارا
ہم سب پاکستان کے غازی پاکستان ہمارا

پاکستان ہمارا
پاکستان ہمارا
پاکستان ہمارا

اِس بحث سے قطع نظر کہ درج بالا روح پرور ترانے کی تخلیق میں مجاز کا کتنا حصہ ہے اور مخدوم کا کتنا؟ اِس حقیقت سے آنکھیں چار کرنا ضروری ہے کہ دہلی سے لے کے دکن تک ترقی پسند شاعروں کے دل و دماغ میں تحریکِ پاکستان کے خواب و خیال ہر آن مچل رہے تھے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین پر مسلط کمیونسٹ آمریت سے سرتابی کی مجال نہ رکھتے ہوئے بھی شاعر اور ادیب، کسان اور مزدور طلوعِ پاکستان کے انتظار میں نغمہ سنج تھے۔ کاش انجمن کی قیادت نہ پنڈت جواہر لال نہرو کے انند بھون کے جادو میں اسیر ہوتی اور نہ ہی رُوس کی کمیونسٹ پارٹی کی تنخواہ دار!

حواشی

1۔ مخدوم محی الدین، حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شاذ تمکنت، حیدر آباد دکن 1986ء، صفحہ 272‘273
2 تحریکِ آزادی میں اُردو کا حصہ، معین الدین عقیل، کراچی 1976ء، صفحہ 526
3۔ اقبال اور حیدر آباد، نظر حیدر آبادی، کراچی، سن ندارد، صفحہ 13
4۔ عمرِ گذشتہ کی کتاب، مرزا ظفر الحسن، کراچی 1978ء، صفحہ 107
5۔ ذکرِ یار چلے، مرزا ظفر الحسن، کراچی، سن ندارد، صفحہ 393
6۔ کامریڈ مخدوم، رسالہ نیا ادب، مخدوم نمبر، حیدر آباد دکن، جنوری 1970ء، صفحات 77‘78
7۔ مخدوم محی الدین: حیات اور ادبی خدمات، شفقت رضوی، کراچی، سن ندارد، صفحہ 108

mu.ahmad@iiu.edu.pk

نذرِ وطن

ہمیشہ آنکھ میں روشن رہے تصویر مٹی کی
بدن کو نور کرتی ہے بہت تاثیر مٹی کی

سمندر کا سفر ہو یا سفر ہو وہ خلاؤں کا
مرے پاؤں میں رہتی ہے سدا زنجیر مٹی کی

کوئی نغمہ ہو کوئی نظم ہو یا ہو غزل کوئی
جھلکتی ہے مرے الفاظ میں تنویر مٹی کی

کبھی اِک حرف بھی آنے نہ دوں گا اس کی حُرمت پر
متاعِ جاں سے بڑھ کر ہے مجھے جاگیر مٹی کی

وہ جس کو سنگِ مرمر میں سجی تصویر بھاتی ہے
بیاں اُس سے نہیں ہو گی کبھی تفسیر مٹی کی

نجانے کون سے خوابوں کے امکاں ساتھ لائے گی
یہی جو اِک سفر میں ہے نئی تعبیر مٹی کی

ڈاکٹر نثار ترابی

A WORLD OF POWER & PERFORMANCE - ALL YOURS!

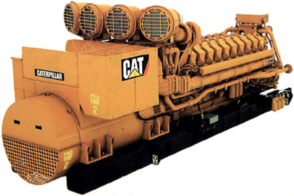

Caterpillar Diesel Generator Sets 7.5 kVA - 17500 kVA
Taking Power To The Next Level

For more information, please contact: 111-250-250 Khi - Lhr - Isb - Mul
or visit our website at www.aesl.com.pk

Karachi
(021) 35066901-13

Peshawar
(091) 5830445-6

Lahore
(042) 37511618-23

Quetta
(081) 2822196

Islamabad
(051) 2227000-4

Faisalabad
(041) 8784643

Multan
(061) 4590701-4

Allied CAT

BOND

Check your Gas Lines for Leakages.

Regular check-ups minimize the dangers of gas leaks and help manage your gas bill. The following are 2 simple ways you can check for leakages in your home:

Home Appliances Test: Shut off all home gas appliances at night and note the meter reading. The next morning, read the meter again before switching on any appliances. A change in figures will determine the leakage.

Soap Test: Make a solution of soap and water and apply to all gas pipes in your premises. In case of leakage, the soap solution will produce bubbles at the point of leakage.

Caution: Do not check by using matches as this can be highly dangerous!

To report leakages, call the SSGC Helpline at 1199.

SSGC
Sui Southern Gas Company Limited

SSGC Helpline 1199

www.ssgc.com.pk | ssgc.official | ssgc_official

PID (K-554/15)

ایک بات پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ آئندہ چند مہینے اس جنگ زدہ ملک کے لئے بہت اہم ہیں۔ ان مہینوں کے دوران طالبان' داعش کے عزائم بھی سامنے آجائیں گے اور ریاست اور پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات' نئی صف بندی کے خدوخال بھی کافی حد تک واضح ہو جائیں گے۔ اس صورت حال میں افغان قیادت کو پاکستان کے ساتھ مخاصمت سے احتراز اور مثبت رابطوں کو قائم رکھنا چاہئے۔ ■

افغانستان کا متوقع منظر نامہ

عقیل یوسفزئی

پڑوسی ملک افغانستان گزشتہ مہینے سے دہشت گردوں کے شدید ترین حملوں کی زد میں ہے۔ عالمی اور علاقائی ماہرین اور تجزیہ کاروں کو پہلے ہی سے اندازہ اور پختہ یقین تھا کہ افغانستان سے امریکی اور نیٹو افواج کے انخلاء کے بعد ایک آزمائشی اور بڑی جنگ کا آغاز ہوگا۔ اس رائے یا پیش گوئی کے متعدد اسباب تھے۔ تاہم بڑی وجہ یہ تھی کہ امریکیوں سمیت متعدد دوسری متعلقہ قوتوں کو بھی ہمیشہ یہ خدشہ رہا کہ افغان فورسز غیر ملکی افواج کے بغیر طالبان کا مقابلہ نہیں کر پائیں گی۔ یہ خالصتاً فورسز کی صلاحیت' مورال اور ڈسپلن کا معاملہ تھا۔ اگست کے مہینے میں افغانستان کے دارالحکومت کابل کو جس تواتر اور شدت کے ساتھ نشانہ بنایا گیا اس کے باعث افغان حکومت کے علاوہ بعض وہ طاقتیں بھی تشویش میں مبتلا ہوگئیں جنہوں نے افغانستان میں فوجی' سیاسی اور اقتصادی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔

یہ درست ہے کہ اس عرصہ کے دوران افغان فورسز نے متعدد علاقوں میں آپریشن کر کے لاتعداد طالبان کو ٹھکانے بھی لگایا تاہم کابل کے بارے میں متعدد بار خدشہ پیدا ہونے لگا کہ شاید یہ حکومت کے ہاتھوں سے نکل رہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی بڑھنے لگا کہ حالات کہیں 90 کی دہائی کی طرح کسی اور جانب تو نہیں جا رہے؟

یہ سوال یا خدشہ بہرحال بے جا نہیں تھا کہ اگر کابل کی سکیورٹی کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا تو دیگر علاقوں کی کیا صورت اور حالت بنے گی؟ خدشات اور سوالات بے جا اس لئے بھی نہیں کہ کابل اور افغانستان ایسے حملے، اور ایسے حالات، ماضی میں دو

تین بار دیکھ اور بھگت چکے ہیں۔ عوام بھی موجودہ حالات میں 80 اور 90 کی دہائی میں جانا قطعاً پسند نہیں کریں گے۔

جنیوا معاہدے کے بعد جب روسی افواج افغانستان سے نکل گئیں تو مجاہدین اور نجیب اللہ حکومت کے درمیان کئی ماہ تک ایسی خونریز جنگ لڑی گئی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ کابل میں ایک اہم فوجی سربراہ کی جانب سے مسلح بغاوت ہوئی۔ اس کے بعد جلال آباد پر حملے ہوئے اور حالات اس قدر سنگین ہو گئے کہ نجیب اللہ کو بحیثیت صدر خود کئی روز تک جلال آباد میں بیٹھنا پڑا ملک کا پورا سسٹم ہل کر رہ گیا اور حالات بگڑتے گئے۔ یہ سلسلہ نجیب اللہ کے استعفیٰ تک جاری رہا۔ ان کے بعد مجاہد کمانڈرز اور گروپ آپس میں ایسے لڑ پڑے کہ عوام پچھلی جنگ کو بھول گئے۔ نہ کوئی شہر محفوظ رہا اور نہ کوئی علاقہ۔ اس سلسلے کا انجام 95-1994 کے دوران طالبان کے ظہور اور پھیلاؤ کی صورت میں نکلا۔ طالبان کو کس نے سپورٹ کیا اور انہوں نے قوت کیسے پکڑی' اس بحث سے قطع نظر حقیقت یہی ہے کہ طالبان کا ظہور مجاہدین کی آپس کی مسلسل لڑائیوں اور بدامنی کا ایک نتیجہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ عوام کے علاوہ بعض روشن خیال اور قوم پرست لوگوں نے بھی ابتدا میں طالبان تحریک کی حمایت کی۔ ان میں متعدد اہم پشتون نیشنلسٹ لیڈر بھی شامل تھے۔ طالبان کی آمد کے بعد لمبے عرصے تک شمالی اتحاد کے لیڈروں اور طالبان کا جھگڑا چلتا رہا اور ایک بار پھر کابل میدانِ جنگ بنا رہا۔ نائن الیون کے بعد پھر سے ایک خونریز دَور کا آغاز ہوا کیونکہ طالبان عالمی فورسز کی آمد کے باوجود لڑتے رہے۔

سال 2004 تک وہ نسبتاً خاموش رہے تاہم اس کے بعد بتدریج ان کی سرگرمیاں بڑھتی گئیں اور حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ درست ہے کہ 2002 کے بعد افغانستان کافی پُرامن رہا تاہم ماہرین اس کا کریڈٹ انٹرنیشنل فورسز کو دیتے رہے اور ان کا مشترکہ موقف یہ رہا کہ عالمی افواج کے انخلاء کے بعد افغان فورسز کا اصل امتحان شروع ہوگا اور یہ کہ اصل اور فیصلہ کن جنگ 2015 یا اس کے بعد شروع ہوگی۔

اس لئے یہ کہنا کہ حالیہ کشیدگی خلافِ توقع ہے' درست نہیں ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگست کا مہینہ مسلسل حملوں کے باعث کچھ زیادہ ہی بھاری ثابت ہوا اور دارالحکومت کابل کو بار بار نشانہ بنانے کی طالبان پالیسی نے متعلقہ حلقوں کی تشویش میں کچھ زیادہ اضافہ کیا۔

2015ء کے آغاز سے طالبان کے حملوں میں اضافہ ریکارڈ ہوا تھا۔ پہلی دفعہ یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ 40,30 برسوں کے دوران شمالی افغانستان پر بڑے حملے شروع ہو گئے۔ امر واقعہ یہی ہے کہ شمالی افغانستان سوویت جنگ سے لے کر موجودہ دور تک بوجوہ جنگ کے شعلوں سے محفوظ رہا۔ 2001 کے بعد بھی حالت

افغانستان میں ویسی ہی صورت حال پیدا ہوگئی جیسے کہ پاکستان کے اندر بیت اللہ محسود کی موت کے بعد قیادت اور تنظیم کے معاملے پر ٹی ٹی پی میں پیدا ہوگئی تھی۔ حکیم اللہ محسود نے اپنی دھاک بٹھانے کے لئے نہ صرف یہ کہ تنظیم کے اندر سخت رویے اور طریقے اپنائے بلکہ خود کو لیڈر ثابت کرنے کے لئے پاکستان کے اندر حملوں کی شدت اور تعداد میں بھی بے تحاشا اضافہ کیا۔ یہ کسی بھی گوریلا تنظیم یا لیڈر کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور طریقہ واردات بھی کہ وہ اندرونی اختلافات سے توجہ ہٹانے کے لئے مخالف فریق (ریاست وغیرہ) پر حملے تیز کریں۔ ■

داعش کے لئے ملا عمر کی غیر موجودگی اور طالبان کے باہمی اختلاف کے باعث مقبولیت کا راستہ کھل چکا ہے۔ بہت سے ہارڈ کور افغان کمانڈر پہلے ہی سے داعش کے ساتھ مل چکے ہیں۔ اگر اختلافات کے باعث افغان طالبان کی تحریک ٹوٹ جاتی ہے تو مزید لوگ ابوبکر بغدادی کے رومانس اور داعش کی مقبولیت کے باعث اس میں شمولیت کو وقت کا تقاضا سمجھیں گے اور یوں افغان عوام اور عالمی اتحادیوں کو مجاہدین' طالبان اور القاعدہ کے بعد اب داعش کو بھی "بھگتنا" پڑے گا۔ ■

یہ تھی کہ شمال کے متعدد صوبوں میں انٹرنیشنل ٹروپس کی تعیناتی کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی اور لوکل فورسز اور عوام ان علاقوں کی سکیورٹی ڈیل کرتے رہے۔ تاہم 2015 کے دوران طالبان' حزبِ اسلامی اور آخر میں نئی قوت داعش نے اپنے اپنے طور پر شمالی افغانستان کو نشانہ بنانا شروع کیا اور حالات تیزی سے ابتری کا شکار ہونے لگے۔ اس رجحان یا رویے نے ریاست کو پریشان کر کے رکھ دیا کیونکہ شمالی افغانستان کو سنٹرل ایشیا کے گیٹ وے کی حیثیت حاصل ہے اور طالبان کی موجودگی یا حملوں نے دوسروں کے علاوہ سنٹرل ایشین ریاستوں' روس اور بعض ملٹی نیشنلز کو بھی بڑی تشویش اور خوف میں مبتلا کر دیا۔ اسی عرصے کے دوران داعش نے سرحدی صوبہ ننگرہار (انٹری پوائنٹ) میں جنگ چھیڑ دی۔ انہوں نے نہ صرف افغان فورسز پر حملے کئے بلکہ افغان طالبان کے ساتھ بھی ان کی جھڑپیں ہوئیں۔ حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ افغان حکومت کو باضابطہ طور پر امریکیوں کی تیکنیکی اور فوجی معاونت لینی پڑی اور ڈرون کو حرکت میں لایا گیا۔

یہ سلسلہ جاری تھا کہ 22 جون کو افغان پارلیمنٹ کو نشانہ بنانے کی مبینہ کوشش کی گئی جبکہ ملک کے تقریباً 12 سے 16 صوبوں میں حملے شروع ہو گئے۔ ان

حملوں سے ثابت ہوا کہ افغان طالبان' داعش اور دیگر کی سرگرمیاں آدھے افغانستان تک پھیل گئی ہیں۔ یہ بہت خطرناک حالات کی نشاندہی تھی۔

7 جولائی 2015 کا دن جاری منظرنامے کا ایک اہم دن ثابت ہوا۔ اس روز مری (پاکستان) میں افغان طالبان اور افغان حکومت کا پہلا باضابطہ مذاکراتی عمل ہوا۔ فریقین کے اس عمل کو پاکستان' چین اور امریکہ سمیت دنیا بھر کی معاونت اور حمایت حاصل تھی۔ یہ ایک بڑا اقدم تھا۔ اس کے فوراً بعد ملا عمر سے منسوب ایک ایسا بیان جاری ہوا جس نے توقعات اور امیدوں میں مزید اضافہ کیا۔ تاہم صورتحال اس وقت پھر سے خراب ہوگئی جب 29 جولائی کو انکشاف ہوا کہ طالبان کے سپریم کمانڈر اور امیر المومنین ملا محمد عمر سال 2013 میں انتقال کر گئے ہیں اور بعض دیگر کمانڈرز ان کی تحریک کو ان کے نام اور ایجنڈے سے چلاتے آرہے تھے۔ طالبان نے جب اس خبر کی تصدیق کی تو اس سے ایک نئے منظرنامے نے جنم لیا۔ بہت سے حلقے پہلے ہی سے بوجوہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ملا محمد عمر نہیں رہے تاہم باقاعدہ اعلان اور تصدیق نے نہ صرف طالبان میں بے چینی پیدا کی بلکہ اس تمام عمل کو بھی متاثر کیا جو مذاکرات اور رابطوں کی صورت میں ایک مثبت جانب بڑھ رہا تھا۔ موت کی تصدیق کے بعد اگر ایک طرف طالبان تحریک ایک مضبوط قیادت سے محروم ہوگئی تو دوسری طرف نئی قیادت کے معاملے پر شدید اختلافات بھی سامنے آنے لگے۔

ہم نے محسوس کیا کہ افغان لیڈر شپ خصوصاً اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ کی ٹیموں کے درمیان واضح تناؤ اور اختلافات موجود ہیں جو ریاستی معاملات پر اثر انداز ہو رہے ہیں. لگ یہ رہا ہے کہ لیڈر شپ کو ان خطرات اور خدشات کا ادراک نہیں جو افغانستان کو درپیش ہیں. ■

افغانستان میں ویسی ہی صورت حال پیدا ہوگئی جیسے کہ پاکستان کے اندر بیت اللہ محسود کی موت کے بعد قیادت اور تنظیم کے معاملے پر ٹی ٹی پی میں پیدا ہوگئی تھی۔ حکیم اللہ محسود نے اپنی دھاک بٹھانے کے لئے نہ صرف یہ کہ تنظیم کے اندر سخت رویے اور طریقے اپنائے بلکہ انہوں نے خود کو لیڈر ثابت کرنے کے لئے پاکستان کے اندر حملوں کی شدت اور تعداد میں بھی بے تحاشا اضافہ کیا۔ یہ کسی بھی گوریلا تنظیم یا لیڈر کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور طریقہ واردات بھی کہ وہ اندرونی اختلافات سے توجہ ہٹانے کے لئے مخالف فریق (ریاست وغیرہ) پر حملے تیز کریں۔

افغان طالبان کے نئے امیر یا کمانڈر ملا اختر منصور نے بھی یہی طریقہ اپنایا اور حملوں کی تعداد میں بے حد اضافہ کیا۔ 30 جولائی کو ان کی تعیناتی کا اعلان ہوا جو کہ 2 اگست کو کنفرم کرایا گیا 4 اگست سے افغانستان کے مختلف علاقوں میں حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ 6 اگست سے لے کر 11 اگست تک کابل کو آٹھ بار نشانہ بنایا گیا۔ جبکہ متعدد دیگر صوبوں میں بھی حملے کرائے گئے۔ اس دوران چار دن ایسے بھی آئے جب ہر روز کابل کو ایک یا دو بار نشانہ بنایا گیا۔ یہ صورت حال ان حلقوں کے لئے بہت باعثِ تشویش ثابت ہوئی جنہوں نے 1995-96 میں طالبان کے کابل میں داخلے کا منظرنامہ دیکھ رکھا تھا۔ ان حملوں نے تلخ واقعات کی یادیں تازہ کر کے بہت منفی نفسیاتی اثر ڈالا۔ ان مسلسل حملوں میں زیادہ تر مواقع پر فورسز خصوصاً پولیس اور سرکاری عمارتوں کو نشانہ بنانے کی پالیسی اپنائی گئی۔ تاہم تین چار حملوں کے نتیجے میں درجنوں شہری خصوصاً بچے اور خواتین بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ افغان طالبان کے اندرونی اختلافات سے توجہ ہٹانے کے لئے یہ حربہ استعمال کرنا' ماہرین کی نظر میں نئی مگر متنازعہ قیادت کے لئے لازمی تھا تاہم اپنے ٹارگٹس تک پہنچنا اور کابل جیسے شہر کو مفلوج بنانا یقیناً اختلاف زدہ طالبان کی صلاحیت اور قوت کا ایک عملی مظاہرہ بھی ثابت ہوا۔

اگر افغان حکومت نے پلاننگ کا مظاہرہ کیا تو ملا عمر کی غیر موجودگی اور باهمی اختلافات کی موجودہ صورت حال سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ حملوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ طالبان کمزور ہوگئے ہیں. ■

اب سوال یہ ہے کہ ملا عمر کے انتقال کے بعد افغانستان اور خطے کا منظرنامہ کیا ہوگا؟

اس پر دو سے زائد آراء موجود ہیں تاہم ایک بات کافی واضح ہے کہ افغانستان کا معاملہ پھر سے بہت پیچیدہ ہو چکا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ طالبان کی گروپ بندی سے تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوگا اور اس پس منظر کے باعث مجوزہ مذاکراتی عمل بھی شدید متاثر ہوگا۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ مرکزیت یا لیڈر شپ کی محبوبیت نہ ہونے کے باعث مختلف گروپ ایک منظم تنظیمی ڈھانچے کے فیصلے کے پابند نہیں رہیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ والی صورت حال بھی بن سکتی ہے جو ٹی ٹی پی کے معاملے پر ماضی قریب میں پاکستان کے اندر بنی تھی۔ جب ایک مرکزی گروپ مذاکرات کرنے میں مصروف تھا اور دو تین گروپ اس کی مخالفت میں حملے کروا رہے تھے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ داعش کے لئے ملا عمر کی غیر موجودگی اور طالبان کے باہمی اختلاف کے باعث مقبولیت کا راستہ کھل چکا ہے۔ بہت سے ہارڈ کور افغان کمانڈر پہلے ہی سے داعش کے ساتھ مل چکے ہیں۔ اگر اختلافات کے باعث افغان طالبان کی تحریک ٹوٹ جاتی ہے تو مزید لوگ ابوبکر بغدادی کے رومانس اور داعش کی

بحیثیت پاکستانی مجموعی طور پر ہم نے افغانستان کے اندر کوئی اجنبیت محسوس نہیں کی تاہم عوام کے چہروں پر اپنے حال اور مستقبل کے حوالے سے خوف اور بے یقینی قدم قدم پر دیکھی۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ افغان حکومت وہ کچھ ڈیلیور نہیں کررہی جس کی عوام اور افغانستان کو ضرورت ہے۔ ■

مقبولیت کے باعث اس میں شمولیت کو وقت کا تقاضا سمجھیں گے اور یوں افغان عوام اور عالمی اتحادیوں کو مجاہدین' طالبان اور القاعدہ کے بعد اب داعش کو بھی ''بھگتنا'' پڑے گا۔

ایک تھیوری یہ ہے کہ اگر افغان حکومت نے پلاننگ کا مظاہرہ کیا تو ملا عمر کی غیر موجودگی اور باہمی اختلافات کی موجودہ صورت حال سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ حملوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ طالبان کمزور ہوگئے ہیں اور قیادت کے فقدان کے باعث ان کو مختلف طریقوں سے اور بھی کمزور کیا جاسکتا ہے۔ ایسے باخبر ماہرین کی بھی کمی نہیں جن کا خیال ہے کہ افغانستان میں تین چار ماہ تک ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ ہونے جارہی ہے۔ ایسے ماہرین اس پسِ منظر میں پاکستان' ایران اور امریکہ کے کردار اور انڈر سٹینڈنگ کو بھی بہت اہمیت دے رہے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ اگر پاکستان افغانستان اور امریکہ نے مشترکہ حکمتِ عملی اپنائی تو حالات میں غیر متوقع تبدیلی آجائے گی اور افغانستان کے علاوہ خطے کا مستقبل بھی محفوظ ہوجائے گا تاہم اس کے لئے وہ افغان ریاست کے اہم رہنماؤں کی باہمی انڈر سٹینڈنگ کو بھی ناگزیر قرار دے رہے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ مستقبل کا منظر نامہ جنوری 2016 کے بعد ہی واضح ہوگا۔ دوسری طرف اس تمام تر معاملے میں مذاکراتی عمل کے مستقبل کا سوال بھی بہت اہم ہے۔

ممتاز دفاعی تجزیہ کار بریگیڈیر (ر) سعد محمد نے رابطے پر بتایا کہ مذاکرات تعطل کا شکار ہوگئے ہیں۔ اس میں پیش رفت اس وقت تک مشکل ہے جب تک طالبان کے باہمی تنازعات حل نہیں ہوجاتے اور ملا اختر منصور ایک مضبوط مقام حاصل نہیں کرپاتے۔ ان کے مطابق تشدد اور جنگ کا سلسلہ غالباً اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ایک بامقصد مذاکراتی عمل کا باقاعدہ آغاز نہیں ہوجاتا۔ ان کا مزید یہ کہنا تھا کہ امن کے قیام کے کافی روشن امکانات موجود ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب افغان عوام امن چاہتے ہیں اور ان کی اس ضرورت اور خواہش کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جبکہ علاقائی قوتیں بھی اب ایسا ہی چاہتی ہیں۔ سینئر صحافی سلیم صافی کو خدشہ ہے کہ داعش بوجوہ ان حالات سے فائدہ اٹھاسکتی ہے اور اگر داعش کا راستہ نہیں روکا گیا تو یہ تنظیم پاکستان کو بھی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ ان کے مطابق ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان اعتماد سازی کو تیز کیا جائے اور مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔

ملا عمر کے انتقال کے بعد نئے منظر نامے سے پیدا شدہ صورت حال کے تناظر میں افغانستان کے مستقبل اور پاکستان کے کردار کے حوالے سے افغان قیادت' سکالرز اور سیاسی حلقے کیا سوچ رہے ہیں اس کے بارے میں حال ہی میں کابل میں دس روز تک قیام کرنے والی سینئر صحافی فرزانہ علی کچھ یوں کہتی ہیں: ''ہم نے کابل میں دس روز گزارے۔ ابتدائی چھ روز کافی اطمینان اور امن سے گزرے تاہم ملا عمر اور جلال الدین حقانی کی موت کی خبروں کے بعد حالات اچانک خراب ہوگئے۔ ایک روز میں چھ بار کابل کو نشانہ بنایا گیا۔ میں نے دورانِ سروے محسوس کیا کہ عوام خوف اور عدمِ تحفظ کی حالت سے دوچار ہیں۔ ان کو اپنے معاشی مستقبل کی بھی فکر لاحق ہے کیونکہ فارن ٹروپس کی واپسی کے بعد نہ صرف یہ کہ امداد کی شرح کم ہوگئی ہے بلکہ بے شمار ترقیاتی پراجیکٹس بھی بند ہوگئے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ افغانی اپنے حالات کی زیادہ تر ذمہ داری اب بھی پاکستان پر ڈال رہے ہیں۔ یہ ان کے لئے ایک نفسیاتی مسئلہ بن گیا ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ پاکستان ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کررہا۔ ہم نے محسوس کیا کہ افغان لیڈر شپ خصوصاً اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ کی ٹیموں کے درمیان واضح تناؤ اور اختلافات موجود ہیں جو ریاستی معاملات پر اثر انداز ہورہے ہیں۔ لگ یہ رہا ہے کہ لیڈر شپ کو ان خطرات اور خدشات کا ادراک نہیں جو افغانستان کو درپیش ہیں۔ ہم پنج شیر گئے تو ہمارا اندازہ تھا کہ وہاں پاکستان مخالف جذبات زیادہ ہوں گے' تاہم وہ ہمارے ساتھ بہت شفقت اور احترام سے پیش آئے۔ اس کے برعکس کابل میں پاکستان مخالف جذبات کافی زیادہ تھے' ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ بعض طاقتور افغان حلقے اب ڈیورنڈ لائن کے ایشو کو پھر سے اٹھانے کی کوشش میں ہیں۔ ہم نے ان کو بتایا کہ اس رویے سے نہ صرف یہ کہ آپ کو نقصان ہوگا بلکہ تعلقات میں بہتری کے امکانات بھی متاثر ہوں گے۔ بحیثیت پاکستانی مجموعی طور پر ہم نے افغانستان کے اندر کوئی اجنبیت محسوس نہیں کی تاہم عوام کے چہروں پر اپنے حال اور مستقبل کے حوالے سے خوف اور بے یقینی قدم قدم پر دیکھی۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ افغان حکومت وہ کچھ ڈیلیور نہیں کررہی جس کی عوام اور افغانستان کو ضرورت ہے۔''

افغانستان میں کیا تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بہت سے عوامل' خدشات اور کرداروں نے اس ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے تاہم ایک بات پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ آئندہ چند مہینے اس جنگ زدہ ملک کے لئے بہت اہم ہیں۔ ان مہینوں کے دوران طالبان' داعش کے عزائم بھی سامنے آجائیں گے اور ریاست اور پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات' نئی صف بندی کے خدوخال بھی کافی حد تک واضح ہوجائیں گے۔ اس صورت حال میں افغان قیادت کو پاکستان کے ساتھ مخاصمت سے احتراز اور مثبت رابطوں کو قائم رکھنا چاہئے۔

جے سی ایس سی کا اجلاس

گزشتہ دنوں جوائنٹ سٹاف ہیڈکوارٹرز میں جے سی ایس سی کا اجلاس منعقد ہوا۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل راشد محمود نے اجلاس کی صدارت کی۔ اجلاس میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف' چیف آف نیول سٹاف ایڈمرل ذکاءاللہ' چیف آف ایئر سٹاف ایئر چیف مارشل سہیل امان کے علاوہ دیگر اعلیٰ عہدیداران نے شرکت کی۔ اجلاس میں ملکی دفاع اور دہشت گردی کے حوالے سے کئے جانے والے اقدامات اور قومی سلامتی کے معاملات کا جائزہ لیا گیا۔

یو ایس سینٹ کام کمانڈر کا دورۂ جے ایس ہیڈکوارٹرز

گزشتہ دنوں یو ایس سینٹ کام کمانڈر جنرل لائیڈ آسٹن (General Lloyd Austin) نے جوائنٹ سٹاف ہیڈکوارٹرز کا دورہ کیا اور چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل راشد محمود سے ملاقات کی۔ ملاقات میں باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

ریاست، آئین اور ادارے

ڈاکٹر نعمان نیر کلاچوی

جدید نظمِ اجتماعی کی رو سے کوئی بھی صحت مند جمہوری ریاست دراصل چار بنیادی ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔ گویا یہ چار ستون ایک صحت مند جمہوری ریاست کی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان چار ستونوں میں سے ایک ستون بھی مضمحل ہو جائے تو ریاست کا مجموعی نظم تتر بتر ہو جاتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ریاست کے چاروں ستون اپنے اپنے مقام پر صحت مندانہ بنیاد پر استوار ہوں۔ چونکہ جمہوریت کے حقیقی معانی یہی ہیں کہ عوام کو عوام کے ذریعے عوام پر حکمرانی اور قانون سازی کا مکمل اور غیر مشروط حق دے دیا جائے، اس لئے مقننہ یعنی پارلیمنٹ کسی بھی خالص جمہوری ریاست کا اولین ستون ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم ان ستونوں کی مختصر لیکن جامع تعبیر بیان کرتے ہیں

(1) مقننہ۔ (2) انتظامیہ۔ (3) عدلیہ۔ (4) ذرائع ابلاغ

مقنّنہ (پارلیمنٹ)

مقننہ مفعول مشتق اسم ظرفِ مکان ہے، قانون سے جس کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں پر عوام کی خواہشات کے مطابق قانون سازی کی جائے یعنی جدید اصطلاح میں اسے ہم پارلیمنٹ اور مذہبی اصطلاح میں مجلسِ شوریٰ کہتے ہیں۔ پارلیمنٹ ایک ایسا خالص جمہوری ادارہ ہوتا ہے جس میں انسانی رویے کو ضبط میں رکھنے کے لئے عوامی رائے سے قانون سازی کر کے عوام پر حکمرانی کی جاتی ہے۔ اس ادارے میں مختلف تعداد میں عوامی نمائندے قیام کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے اپنے متعلقہ حلقوں سے اپنے عوام کی نمائندگی کر سکیں اور عوام کے مزاج کے مطابق جزوی و جوہری قانون سازی کر سکیں۔ یہ ہے اصل اور خالص جمہوری ادارے یعنی پارلیمنٹ کا مختصر تعارفی کردار۔ علاوہ ازیں اس ادارے کے مختلف آئینی جزئیات ہوتے ہیں لیکن بنیادی کردار اس ادارے کا یہی ہے۔ یہ جمہوری ادارہ دراصل ایک صحت مند جمہوری ریاست کے عوام کا ترجمان ہوتا ہے یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس ادارے میں ریاست کے ہر معزز شہری کا ایک ایسا نمائندہ موجود ہوتا ہے جس کو شہریوں نے خود اپنی کامل رضا سے اپنی ترجمانی سونپ دی ہوتی ہے۔ پس یہ اپنی اصل کے لحاظ سے حفظِ مراتب سے مشروط ہر شہری کی حکمرانی ہوتی ہے۔

انتظامیہ

ریاست کا دوسرا اہم ترین ستون انتظامیہ یا حکومت کہلاتا ہے، تکنیکی زبان میں ہم اِسے بیوروکریسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مقننہ تو عوامی نمائندگی کا ادارہ ہے جس کا تذکرہ ہم اس سے قبل کر چکے ہیں جبکہ انتظامیہ ایک مستقل اور غیر متبدل تنظیمِ امر ہے جو ریاست کے پینڈے میں بہرحال موجود رہتا ہے۔ عوامی نمائندے عوام کی اکثریتِ رائے سے منتخب ہوتے ہیں جبکہ منتظم اپنی اعلیٰ بصیرت کی بنیاد پر منتخب کئے جاتے ہیں جیسا کہ معلمِ سیاست ارسطو نے کہا کہ ریاست کا انتظام ہمیشہ اہلِ دانش کے سپرد کیا جانا چاہئے بلکہ اہلِ دانش کے لئے الگ سے ایک ایسا معاشرہ قائم کر دیا جائے جہاں پر وہ پرسکون ماحول میں رہ کر اپنی بصیرت سے ریاست کا نظم ونسق ترتیب دینے کا اہتمام کریں جیسا کہ جمہوریت کی بنیاد عوامی رائے پر ہوتی ہے بالکل ایسے ہی انتظامیہ کی بنیاد میرٹ پر ہے۔ گویا اعلیٰ علمی بصیرت ہی اہلیانِ نظم ونسق کا انتخاب کرتی ہے۔ یہاں پر ایک باریک سا نکتہ یہ ہے کہ عوامی نمائندے انتظامیہ کی تنصیب وترمیم کا حق تو رکھتے ہیں لیکن یہ حق صرف میرٹ کی بنیاد پر ہوگا۔ شومئی قسمت کہ مملکتِ عظمیٰ میں انتظامیہ کو سیاست میں ضم کر دیا گیا اور اعلیٰ وادنی انتظامی امور کو رہن کر دیا گیا، عوامی نمائندوں کے جس کے سبب تنظیم و سیاست میں فرق ہی باقی نہ رہا۔ ایک اعلیٰ بصیرت کا حامل بیوروکریٹ سالوں سے اپنی خدمات تندہی سے سرانجام دے رہا ہوگا لیکن ایک نو منتخب عوامی نمائندہ اسے اٹھا کر کہیں ایسی جگہ بٹھا دے گا جہاں اس کی ساری صلاحیتیں اور حوصلے زمین بوس ہو جائیں گے۔ انتظامیہ پر سیاست کا یہ شعوری وغیر شعوری جبر دراصل ایک خالص اور صحت مند جمہوری ریاست کو تہس نہس کر دیتا ہے۔

عدلیہ

عدلیہ کے لغوی معانی تو فیصلے کرنے کے ہیں یا دو چیزوں میں باہم فرق کرنا

لیکن اصطلاح میں مستحقینِ انصاف اہلیانِ ریاست کو مختلف النوع امورِ مطلوبہ میں انصاف کی بروقت فراہمی عدلیہ کہلاتی ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ انسانی رویہ کو ضبط میں رکھنے کے لئے قانون کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن چونکہ انسان فطری طور پر ضبط شکن واقع ہوا ہے، اس لئے معاشرے میں غیر متوازن رویوں کے سبب اخلاقی و آئینی اضمحلال رونما ہو جاتا ہے۔ پس اس اخلاقی اضمحلال اور آئین شکنی کا سدِ باب کرنے کے لئے فصلِ باہم (عدالت) کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے کسی بھی خالص جمہوری ریاست کے بنیادی چار ستونوں میں عدلیہ کو تیسرے بنیادی ستون کی حیثیت حاصل ہے۔

ذرائع ابلاغ

ذرائع ابلاغ سے مراد دراصل وہ ریاستی و نجی ادارے ہیں جو ایک خالص جمہوری ریاست میں سماجی، اخلاقی اور آئینی مسائل کی نشر و اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔ قریبی وقت میں یہ ادارے اخبار اور رسائل تک محدود تھے۔ چنانچہ اس وقت ذرائع ابلاغ کی صرف ایک ہی صورت موجود تھی جسے معروف اصطلاح میں صحافت سے تعبیر کیا جاتا تھا جبکہ فی زمانہ ذرائع ابلاغ کا دائرہ غیر یقینی طور پر وسیع ہو گیا ہے۔ جدید تکنیکی ترقی کے سبب اب خبر قرطاس سے اڑ کر برقی آلات میں مزیّن ہو گئی ہے چنانچہ آج اخبار و رسائل کی جگہ انٹرنیٹ اور ٹی وی نے لے لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اصطلاحات بھی تبدیل ہو گئیں، چنانچہ قدیم ابلاغی اصطلاح 'صحافت' کی جگہ آج 'میڈیا' نے لے لی ہے۔ پس اس کی بھی تین اہم بنیادی جزئیات وقوع پذیر ہو گئی ہیں۔ سوشل میڈیا (سماجی محاذ) پرنٹ میڈیا (اشاعتی محاذ) اور الیکٹرانک میڈیا (برقی محاذ)، سوشل میڈیا کی جزئیات میں آج کل فیس بک، ٹویٹر وغیرہ جبکہ پرنٹ میڈیا میں اخبارات و رسائل اور الیکٹرانک میڈیا میں مختلف ٹی وی چینلز اس وقت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

کسی بھی خالص جمہوری ریاست میں ان چار ستونوں کا صحت مند اور آزاد ہونا بہت ضروری ہوتا ہے تاکہ اعلیٰ ترین نظمِ اجتماعی کا وقوع لاء اینڈ آرڈر کی برقرار صورت، انصاف کی بروقت فراہمی اور ذرائع ابلاغ کا مثبت اور بہترین اخلاقی کردار قائم ہو سکے۔

آئین

انسان رویہ اور ارادے کے خدوخال کا نام آئین ہے۔ انسانی ارادہ جہاں رویہ کی تزئین و تخریب کرتا ہے وہاں قانون یا ضبط انسانی رویہ میں توازن اور تہذیب بھی پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ انسان نے جب مدنیت (شہری زندگی) کا شعور حاصل کیا تو باہم نزاعِ طبع کی صورتحال پیدا ہو گئی اور وہ اس لئے کہ انسان فطری طور شدید فوقیت پسند واقع ہوا ہے۔ چنانچہ مدنیت کے اولین دور میں ہر انسان معاشرے میں رہ کر اپنی ہر ممکنہ شعوری و بالخصوص مطائی فوقیت بزورِ طاقت حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر چڑھ دوڑنا روا سمجھتا رہا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدنی شعور کے اوائل میں انسان بہر صورت شعور پر طاقت کو ترجیح دینے کا نہ صرف قائل تھا بلکہ اسے بہادری و احسن اقدام کے طور پر مانتا تھا۔ اگر ہم قدیم محاربانہ تہازیب کی تواریخ کا مطالعہ رکھتے ہیں تو ہمیں یہ نکتہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں رہتی، چنانچہ جس طاقتور انسان کا جتنا زور چلا اس نے اپنا ایک الگ معاشرہ قائم کر کے رعایا پر حکمرانی کی اور اسی طرح اپنی فطری کمزوری پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اسی طرح ابتدا میں ایک ہی طاقتور انسان کی بدولت انسانوں میں مل جل کر رہنے کا رواج وقوع پذیر ہوا اور اس صورت حال میں انسانوں کا اجتماع آہستہ آہستہ نظم کے احساس کا محتاج ہوتا گیا۔ چنانچہ ضرورت کے پیش نظر نظم قائم کرنے کے لئے ضوابط ترتیب دیئے جانے لگے اور ان ضوابط کے مجموعے کو آئین کہا جانے لگا۔ انسان کے ابتدائی مدنیت کے دور میں ضبط فردِ واحد کی طبیعت کا عکاس ہوتا تھا چنانچہ رعایا میں کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ضوابط کے معاملے میں چوں و چرا کر سکیں یعنی کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدنیت کے اوائل میں آئین ایک مطلق العنان حکمران کی خواہش کا نام تھا اور سچ تو یہ ہے کہ آج بھی انسانی فطرت پر دقیق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا یہ ابتدائی رویہ کسی نہ کسی شکل میں پوشیدہ ہی سہی، انسانی فطرت میں نمایاں ہو ہی جاتا ہے۔ اگر ہم آئین سازی کے مراحل کو ترتیب سے بیان کریں تو یہاں پر ایک بنیادی اور انتہائی حساس اور متنازعہ مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مذکورہ بالا ضوابط ترتیب دینے کا اختیار کس کو حاصل ہے، اگر یہ حق کسی فردِ واحد کو سونپ دیا جائے جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے تو یہ دیگر تمام انسانوں کے ساتھ فطری زیادتی کے مترادف ہے اور ملوکیت کی غیر مہذب شکل، پس اگر یہ حق کسی مذہبی پیشوا کے سپرد کر دیا جائے تو یہ بھی شعوری جمود اور نری مطلق العنانیت ہے۔ سچ تو یہ ہے انسان دونوں ہی طرز کے ضوابط کا نہ صرف عملی تجربہ کر چکا ہے بلکہ اُن کے بہیمانہ نتائج بھی بھگت چکا ہے۔ لہٰذا جدید ذہن کا انسان ہر ممکنہ طاقت و شوری پر مبنی نظم کو بخوبی پرکھ کر اس بہترین متوازن اور فطرت کے عین مطابق نظمِ اجتماعی پر منتج ہوا کہ ضوابط کا کلی حق انسانی فطرت کی اطاعت کرتے ہوئے کماحقہٗ عوام کے سپرد کر دیا جائے اور عوام کو اس بات کا مکمل اور غیر مشروط حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی فطری و طبعی ضروریات کے پیشِ نظر، مل جل کر اتفاق رائے سے آئین سازی کی ذمہ داری انجام دیں چنانچہ آج ہم اس نظمِ اجتماعی کو جمہوریت کے نام سے جانتے اور مانتے ہیں

دفاعی ادارے

دفاع ادارے کسی بھی خالص جمہوری ریاست کی چھت کی مانند ہوتے ہیں جیسا کہ چار بنیادی ستون ریاست کی ایک مضبوط چار دیواری بناتے ہیں ایسے ہی دفاعی ادارے اس چار دیواری کی چھت کا کام دیتے ہے۔ عموماً چار دیواری بنا چھت کے کسی کام کی نہیں ہوتی بعینہٖ دفاعی اداروں کے بنا ریاستی ستون ناکارہ رہتے ہیں۔ پس اگر اس دقیق نکتے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ستونوں پر چھت قائم ہوتی ہے تو وہ ایک مکمل مکان کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ریاست بھی ایک

مکان کی صورت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت تین دفاعی ادارے اپنی اپنی سرگرمیاں بڑی تندہی اور پوری دیانتداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ مملکت عظمیٰ آج جن عفریت نما مسائل کا شکار ہے، سچ تو یہ ہے کہ ہمارے چاروں ستون دہشت گردی کے عفریت کو روکنے میں مرحلہِ احتیاج تک پہنچ گئے ہیں، کیونکہ ریاست میں آئین کی بالادستی قائم کرنا، اہلِ امر کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ ایک خالص جمہوری ریاست میں ان تمام معاملات میں دفاعی اداروں کا جزوی کردار بھی نہیں ہوتا کیونکہ آئین کی بالادستی مقننہ سے منسلک ہے لیکن ہمارے ہاں موجودہ صورتحال میں جس جوانمردی اور فقید المثال دلیری سے دفاعی ادارے دہشت گردی کی عفریت کا خاتمہ کرنے میں محوِ جہد ہیں۔ بلا تردد کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی کسی بھی ریاست میں دفاعی ادارے اس قدر وطن پرستی اور ملی عقیدت کا مظاہرہ نہیں کر رہے کیونکہ ہمارے مسائل خانہ ساز ہیں۔ دہشت گردی کا عفریت صرف خارجی مسئلہ نہیں بلکہ یہ ہماری ہی مخصوص انتہا پسندانہ اور غیر متوازن روایتی تعلیم کا شاخسانہ ہے کہ ریاست ہی میں موجود ایک روایت پرست انتہا پسندانہ سوچ کا حامل طبقہ ریاست عظمیٰ کے آئین کو گمراہ کن قرار دے کر آئین کے خلاف بغاوت پر اتر آیا، مسئلہ یہاں پر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ ان تمام افراد کے پیچھے ایسے سفید پوش اذہان موجود ہیں جنہوں نے معاشرے میں خود کو علم کا مینارِ مقدس بنا کر عوام کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ پس ایسی صورتحال میں مقننہ بھی لاشعوری خوف میں مبتلا ہو چکی کہ اگر ایسے شدت پسند عناصر کے خلاف آواز اٹھائی گئی تو معاملہ انتہائی گھمبیر ہو جائے گا لیکن حقیقت پر مبنی صورتحال یہ ہے کہ آخر کب تک ریاست کا آئین مثل اناتھ اور عوام سیخ در کباب بنی رہتی، دہشت گردی کا یہ عفریت کتنے معصوم پاکستانیوں کو نگل گیا اور ظلم کی انتہا تو یہ ہوئی کہ فرشتہ صفت معصوم بچوں تک کو معاف نہیں کیا گیا۔ ایسی بدترین اور انتہائی خوفناک صورتحال میں اہلِ امر بھی مسکوت تماش بین بن بیٹھے رہے۔ ریاست عظمیٰ میں گھر سے نکلنے والا ہر فرد کلمہ شہادت پڑھ کے نکلتا اور جب خیریت سے گھر پہنچتا تو اہلِ خانہ اس کے سر کی بلائیں لیتے۔ پس ایسی بھیانک صورتحال میں اگر دفاعی ادارے حرکت میں نہ آتے تو خدانخواستہ آج مملکت عظمیٰ ایسے درندہ صفت افراد کے ہاتھ میں ہوتی جو طاعون کی طرح ہر ذی شعور کو صاحبِ فراش بنا دیتے یا پھر تختہِ دار پر لٹکا دیتے۔ پس ریاست عظمیٰ کے لئے دفاعی اداروں کا یہ احسانِ لازوال تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا بالخصوص بری فوج کا شاندار عملی کردار اور سپہ سالار اعظم کی بے مثال دلیری مدح سرائی پر مجبور کر دیتی ہے کہ اپنے اہلِ خانہ کو چھوڑ کر محاذ پر موجود جوانوں کے ساتھ مذہبی تہوار منانا کوئی معمولی اقدام نہیں ہے اگر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسا لازوال اقدام ہے جو اُن کی اپنے جوانوں اور پوری قوم کے ساتھ انمٹ محبت کا عکاس ہے۔

مضمون نگار انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی ملائشیا سے اسلامی فلسفے (علم الکلام) میں پی ایچ ڈی ہیں۔ noman.kulachvi@gmail.com

دورے کے دوران

کمانڈر بہاولپور کور لیفٹیننٹ جنرل جاوید اقبال صحرائے چولستان میں اگلے مورچوں کے دورے کے دوران

صدیوں پر بھاری لمحوں کے رشتے

تحریر: حمید اختر (یو ایس اے)

جب فائرنگ کا سلسلہ ذرا تھما تو جوانوں نے اِن کی تلاش شروع کی اور پھرایک ٹیلے کی اوٹ میں دونوں کو زمین پر پڑا دیکھا۔ کیپٹن عا مر شدید زخمی حالت میں تھے جبکہ لیفٹیننٹ عباس شہادت پا چُکے تھے۔ اس طرح لیفٹیننٹ عباس نے اپنی جان دے کر کیپٹن عامر کی زندگی بچا لی تھی۔ اس واقعے کو اب دو سال ہو چلے ہیں لیکن کیپٹن عامراپنے دوست اور ساتھی کے اس سچے فوجی جذبے اور فرض شناسی کو نہیں بھول پائے۔ وہ اکثر یہ گانا سُنتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ ■

1980 کی بات ہے جب میں نے ریڈیو پر فوجی خبریں پڑھنا ابھی شروع ہی کی تھیں۔ ایک روز صبح گیارہ بجے کی خبریں پڑھ کر سٹوڈیو سے باہر نکلا تو نائب قاصد نے ڈائریکٹر نیوز کا پیغام پہنچایا کہ آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ سامنے ہی اُن کا کمرہ تھا دروازے پر ایک ہلکی رسمی دستک کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ تو کے۔ جی مُرتضیٰ (اُس وقت کے ڈائریکٹر نیوز) نے اپنی مخصوص مگر بے معنی مُسکراہٹ کے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔ پھر کچھ کہے بغیر ایک خط میرے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔ میاں تیاری کیجئے 'فوجی دعوت ہے۔ میرے پاس اعتراض کی کوئی وجہ اور آپ کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں نے فوراً خط کا متن پڑھنا شروع کیا۔ خط 25 بلوچ رجمنٹ کے کرنل کمانڈنٹ کی طرف سے تھا۔ جس میں رجمنٹ کی رجمنٹل کلر پریڈ کی رننگ کمنٹری (آنکھوں دیکھا حال) کے لئے مجھے سیالکوٹ آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ فوج کی کسی رجمنٹ کے لئے اُن کی زندگی کی یہ ایک انتہائی اہم تقریب ہوتی ہے جب رجمنٹ کا جھنڈا نئے کمانڈنٹ کے حوالے کیا جاتا ہے۔۔۔ اس پریڈ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے کے لئے اپنے انتخاب پر مجھے انتہائی خوشی ہوئی۔

کچھ دن میں روانہ ہونا تھا۔ سیالکوٹ تک سفر اور وہاں میرے قیام و طعام کا انتظام یونٹ کی طرف سے ہی کیا گیا تھا اور پھر ایک روز طے شدہ وقت کے مطابق ایک سرکاری جیپ دروازے پر آ کر رُکی۔ میں اپنے مختصر سامان کے ساتھ پہلے سے تیار بیٹھا تھا۔ باہر نکلا تو میرے کچھ کہنے سے قبل ہی کڑک فوجی وردی میں ملبوس جیپ کے ڈرائیور نے سویلین سلام کے ساتھ مسکرا کر استقبال کیا اور میرا بیگ جیپ کی عقبی نشست پر رکھ کر مجھے اگلی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ میں اندر ہی اندر اس عارضی فوجی میزبانی پر بہت خوش تھا۔ میرے پوچھنے پر ڈرائیور نے اپنا نام محمد نواز بتایا۔

کُچھ ہی دیر میں جیپ جی ٹی روڈ پر فراٹے بھرنے لگی اور پھر چند ہی گھنٹوں میں ہم سیالکوٹ پہنچ گئے۔ اندرون شہر کی بے ہنگم ٹریفک، اطراف میں پھیلی گندگی اور سڑک کے بیچ لگے ٹھیلوں سے بچتے بچاتے ہم نسبتاً ایک صاف ستھرے علاقے میں داخل ہوئے۔ جہاں نہ تو سڑک کے بیچ کوئی ٹھیلا سجا تھا اور نہ ہی اطراف میں گندگی کا راج۔ محمد نواز نے بتایا کہ یہاں سے چھاؤنی کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ میں نے دل ہی میں سوچا تو گویا یہاں سے سویلین کا 'اختیار' ختم ہوتا ہے۔

کچھ دیر میں جیپ درختوں کی اوٹ سے جھانکتی ایک خوبصورت عمارت کے سامنے رُکی۔ نواز نے بتایا کہ یہاں آپ کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ یہ سرکاری مہمان خانہ تھا۔ نواز نے اشارے سے چلنے کو کہا۔ میں اپنا بیگ لینے کو بڑھا تو اُس نے کہا آپ چلیے میں سامان آپ کے کمرے میں پہنچا دوں گا۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب سُرخ بلینز ر سے ڈھکی ایک میز کے پیچھے بیٹھے مستعد فوجی جوان نے کھڑے ہو کر استقبالیہ کلمات کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہوئے چابیوں کا ایک گُچھا نواز کو تھما دیا۔ جواباً شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ چند قدم آگے دائیں جانب ایک دروازہ کھول کر نواز نے ہمیں ہمارا کمرہ دکھایا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی مختصر معائنے کے بعد ہم نے آگے بڑھ کر کھڑکی پر لگے پردے کو ہٹا کر کھڑکی کھول دی۔ دوسری جانب درختوں کی اوٹ سے جھانکتی ایک تین منزلہ عمارت تھی' جہاں کہیں سے مسعود رانا کے سدا بہار گانے (مجھے چھوڑ کر اکیلا کہیں دور جانے والے) کی گونج ماحول میں ایک خوبصورت سماں باندھ رہی تھی۔ نواز نے بتایا کہ یہ bachelor officers یعنی چھڑے لفٹینوں کی رہائش گاہ ہے۔ لیکن کچھ سینئر افسر بھی یہاں رہتے ہیں۔ پلٹ کر کمرے کا پھر سے جائزہ لیا۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی لیکن پھر بھی نواز نے ایک جانب میز پر رکھے گھنٹی کے سوئچ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو کوئی چیز درکار ہو تو گھنٹی بجا دیجئے۔

کمرے کی بغل میں ایک چھوٹا سا مطالعہ روم تھا جہاں ایک میز پر کُچھ کورے کاغذ اور چند پنسلیں رکھی تھیں۔ شاور لینے کے بعد سفری تھکن اُتارنے کے لئے ابھی لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولنے پر دیکھا تو سامنے سفید لباس میں ایک نوجوان' چہرے پر مُسکراہٹ سجائے' ہاتھوں میں کپڑے سے ڈھکی ایک ٹرے تھامے کھڑا تھا۔

سلام سر! وہ چہرے پر مزید مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔ اس اضافی مسکراہٹ

سے اُس کے چہرے پر بجی گھنی مونچھوں اور آنکھوں کے درمیان فاصلہ سمٹ کر جھریوں میں بدل گیا۔ ہم نے بھی جواباً محض سادہ مُسکراہٹ کے تبادلے کے ساتھ اُسے اندر آنے کو کہا۔

ٹرے میز پر رکھ کر وہ جیسے ہی رُخصت ہونے لگا غیر ارادی طور پر ہمارا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا لیکن پھر یہ سوچ کر ہم اچانک ٹھٹھک گئے کہ ہم تو فوج کے مہمان ہیں۔ ٹرے کا نقاب اُلٹ کر دیکھا تو چائے کے لوازمات کے ساتھ ایک رقعہ بھی رکھا تھا۔ کھول کر دیکھا تو تحریر تھا۔

السلام علیکم!

25 بلوچ رجمنٹ کی جانب سے خوش آمدید۔

آپ کچھ دیر آرام کرلیں تو پھر حاضر ہوں گا۔

میجر کاظم کمال۔

پروگرام کے مطابق اگلی صبح دس بجے پریڈ شروع ہونا تھی جس کی تیاری کے لئے مجھے خاصہ مواد درکار تھا۔ غالباً میجر کاظم اسی سلسلے میں آنا چاہ رہے تھے۔ چائے کا کپ تیار کر کے ٹی وی آن کیا جس پر نشرِ مکرر کے طور پر کسی پرانے مشاعرے کی ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ جب کرنے کو کچھ نہ ہو تو پھر دیکھنے کے لئے کچھ بھی غنیمت ہوتا ہے۔ میجر صاحب کی آمد تک باسی مشاعرے کو تازہ چائے کے تڑکے کے ساتھ نوش کرنے لگے۔ ایک شاعر نے اپنی غزل کا مصرع ابھی اُٹھایا ہی تھا کہ چائے کا کپ میز پر رکھنا پڑا کیونکہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ اُٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے پینٹ کوٹ میں ایک وجیہہ نوجوان کھڑا مسکراتا تھا۔ ہاتھ آگے بڑھا کر اپنا تعارف کرواتے ہوئے بولا۔ مجھے میجر کاظم کمال کہتے ہیں۔ میں کل کی تقریب کے لئے کوآرڈینیٹر (رابطہ کار) ہوں۔۔۔ آیئے آیئے میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اُنہیں اندر آنے کو کہا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اُس کے بعد اُنہوں نے اگلے روز کے مکمل پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے ایک فائل میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا کل کی تقریب کے حوالے سے اس میں تمام معلومات موجود ہیں لیکن پھر بھی اگر آپ کو مزید کچھ معلوم کرنا ہو تو مجھے فون کرلیں۔ میرا نمبر اس فائل میں موجود ہے۔ کچھ ہی دیر میں میجر کاظم روانہ ہوگئے اور میں اگلے روز کی تقریب کے لئے نوٹس ترتیب دینے میں لگ گیا۔

شام سات بجے آفیسرز میس (Mess) میں سب کے ساتھ کھانے کا انتظام تھا۔ لہٰذا ٹھیک سات بجے میس پہنچے تو میجر کاظم سمیت تمام آفیسرز پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔ میزوں پر انتہائی ترتیب اور نفاست سے کھانا لگایا جا رہا تھا۔ یہ روز کا معمول تھا۔ سب لوگ سکون وتحمل سے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ کھانے کے اس منظم ماحول کو دیکھ کر ہمیں اپنی نجی دعوتوں اور تقریبات کا خیال آیا جہاں کھانے کی خوشبو نتھنوں سے ٹکراتے ہی بڑے بڑے معززین تہذیب و آداب کے تمام بند توڑ کر کھانے کی پراتوں کی طرف اس طرح لپکتے ہیں جیسے یا تو وہ اپنی زندگی کا آخری کھانا کھانے جا رہے ہوں یا پھر پہلے آؤ پہلے پاؤ کے اُصول پر یقین رکھتے ہوں۔ میجر کاظم نے سب سے تعارف کروایا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد سب نے مل کر کھانا کھایا اور پھر ایک ایک کر کے رُخصت ہوگئے۔ میجر کاظم باتیں کرتے ہوئے میرے ساتھ میرے کمرے تک آئے اور پھر یہ کہہ کر رُخصت ہوئے۔۔ صُبح نو بجے لینے آؤں گا آپ تیار رہیے گا۔

سونے سے پہلے کچھ دیر کل کی تقریب کے لئے تیار کئے ہوئے نوٹس کا ایک بار پھر جائزہ لیا اور روشنی گل کر کے سو گیا۔ اگلی صبح ٹھیک نو بجے میجر کاظم کے ہمراہ تقریب کے مقام کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ہر جانب گہما گہمی تھی۔ لوگ تقریب کو دیکھنے کے لئے ٹولیوں کی صورت پریڈ گراؤنڈ کی جانب رواں دواں تھے۔ گراؤنڈ پہنچ کر میجر کاظم مجھے الگ سے تیار کئے گئے نسبتاً ایک بلند چبوترے پر لے آئے جہاں سے اردگرد اور سامنے کا منظر بالکل صاف اور واضح تھا۔ میدان کے چاروں جانب بڑی تعداد میں فوجی اور سویلین فیملیز بڑے منظم انداز میں تقریب کے شروع ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ فوجی ترانوں کی گونج نے ماحول کو خاصا جذباتی اور پُر جوش بنا رکھا تھا۔ میرے اردگرد چند فوجی ٹیکنیک کار اِدھر اُدھر پھیلی برقی تاروں، مائکروفونز اور دوسرے آلات کا حتمی جائزہ لینے میں مصروف تھے۔ میرے لئے یہ ماحول کچھ زیادہ اجنبی نہیں تھا کیونکہ کرکٹ میچوں پر کمنٹری کے لئے مجھے کچھ اِیسی ہی صورتِ حال کا خاصہ تجربہ تھا۔ میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے مائکروفون پر ٹیسٹ ساؤنڈ دیا۔ ساؤنڈ انجینئرز کی جانب سے OK سگنل ملنے کے بعد پریڈ کے شروع ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ پریڈ دس بجے شروع ہونا تھی لیکن ہم نے پندرہ منٹ پہلے ہی آنکھوں دیکھا حال بیان کرنا شروع کر دیا اور پھر فوجی بینڈ کی مدھر ملّی دھنوں کے ساتھ ہوا کے دوش پر میری آواز ہر سو گونجنے لگی۔ میرے لئے یہ انتہائی خوشگوار تجربہ تھا۔

میجر کاظم وقفے وقفے سے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہر لمحہ بدلتی تازہ ترین صورتِ حال کے بارے میں تحریر کر کے میرے سامنے رکھتے جا رہے تھے۔ فوجی بینڈ کی گھن گرج، مضبوط فوجی قدموں کی دھمک اور مارچ کرتے فوجی جوانوں کے دل ہلا دینے والے نعروں کی گونج سے نہ صرف ہمارے سامنے بلکہ سرحدوں کے پار بھی زمین لرزاں تھی۔ یہ دل کو گرما دینے والا ماحول تھا۔

پریڈ تقریباً دو گھنٹے جاری رہی اور پھر رجمنٹ کا جھنڈا نئے کمانڈنٹ کے حوالے کرنے کے بعد تقریب کا اختتام ہوا۔ اور اس طرح میں نے اختتامی کلمات کے ساتھ تقریب کی مجموعی کارروائی کو سمیٹا۔

کچھ ہی دیر میں مجمعے کو چیرتے ہوئے میجر کاظم نمودار ہوئے جو اپنے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا ہوا میں بلند کرتے ہوئے مُسکرا کر اس بات کا اِظہار کر رہے تھے کہ سب ٹھیک ہوگیا ہے۔ پھر قریب آ کر چند تعریفی کلمات سے نوازنے کے بعد ظہرانے کی نوید دے کر ساتھ چلنے کو کہا۔ میں نے ساتھ کھڑے معاون انجینئرز کا فرداً فرداً شکریہ ادا کیا اور میجر کاظم کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ پاس ہی ایک بڑے خیمے کے اندر ظہرانے کا اہتمام کیا گیا تھا جہاں ہر رینک کے افسر اپنی اپنی خصوصی یونیفارم میں جمع تھے۔ پُر تکلف کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میجر کاظم مجھے میری رہائش گاہ تک چھوڑنے آئے اور یہ کہہ کر رُخصت ہوگئے کہ آج شام بڑا کھانا ہے، آپ نے بھی چلنا ہے۔

فوج کے بڑے کھانے کے بارے میں بہت سُن رکھا تھا لیکن کبھی شرکت کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میں شام کا بے صبری کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ لباس تبدیل کر کے کُچھ دیر ستانے کیلئے ابھی لیٹا ہی تھا کہ وہی گیت سناٹے کو توڑتا ہوا پھر سے فضا میں گونجنے لگا۔ میں آنکھیں بند کئے اس گیت کو سُنتا رہا اور پھر نہ جانے کیوں گیت ختم ہونے کے بعد اچانک چھائی خاموشی میں مجھے کسی کا درد سُنائی دینے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس گیت کے پیچھے ضرور کوئی کہانی چھپی ہے۔ شام کو میں اور میجر کاظم بڑے کھانے میں شرکت کے لئے پہنچے۔ بڑے کھانے کا سوچ کر میں ایک پُر تکلف دعوت کا تصور کر رہا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ ایک انتہائی سادہ دعوتِ عام تھی جس میں ایک عام فوجی جوان سے لے کر کمانڈنٹ تک کسی رُتبے یا منصب سے بے نیاز ہو کر سادہ لباس میں ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر خوش گپیوں میں محو تھے۔ کھانے کے بعد یہ بے تکلف محفل کافی دیر تک چلی۔ وہاں سے نکل کر باتیں کرتے کرتے میجر کاظم میرے کمرے تک آئے اور پھر میرے اصرار پر کُچھ دیر میرے پاس رُک گئے۔ کافی دیر تک ہم اپنے نجی مشاغل کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ اچانک رات کے سناٹے میں وہی گیت پھر سے گونجنے لگا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے میجر کاظم کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ یہاں آنے کے بعد یہ گیت میں کئی بار سُن چکا ہوں۔ اور ہر بار سُن کر یوں لگتا ہے جیسے اس کے پیچھے ضرور کوئی کہانی پوشیدہ ہے۔ میجر کاظم کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے۔۔۔ آپ صحیح سوچ رہے ہیں۔ کُچھ ایسا ہی ہے۔ دراصل پیچھے کی جانب جو بلڈنگ ہے اُس کی دوسری منزل پر کیپٹن عامر رہتے ہیں۔ یہیں ان کے ایک دوست لیفٹیننٹ عباس بھی ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ دونوں نہ صرف ایک ساتھ فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ بلکہ دونوں میں مثالی دوستی بھی تھی۔ آج سے تقریباً دو سال قبل شمالی سرحد پر دُشمن کی اشتعال انگیز کارروائی نے ہمیں بھی جوابی کارروائی پر مجبور کر دیا۔ کیپٹن عامر اور لیفٹیننٹ عباس کو ایک فوجی دستے کے ہمراہ اس مشن پر روانہ کیا گیا۔ دونوں نے جوانوں کی قیادت کرتے ہوئے دُشمن کو شکست دی۔ اس کامیاب معرکے کے بعد جب میجر عامر اپنے مورچے کی جانب واپس جا رہے تھے تو گھات لگائے دُشمن نے پیچھے سے وار کر کے اُنہیں شدید زخمی کر دیا۔ اُن کے لئے خود سے چل کر واپس مورچے تک آنا ممکن نہ تھا۔ لیفٹیننٹ عباس جو کُچھ فاصلے پر اپنے مورچے سے دُشمن کے مورچوں پر کاری ضرب لگا رہے تھے جان کی پروا کئے بغیر مورچے سے نکل کر کیپٹن عامر کی مدد کو لپکے اور اُنہیں اپنے کندھے پر اُٹھا کر نسبتاً محفوظ مقام کی طرف بڑھنے لگے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ وہ بھی دُشمن کی گولی کا نشانہ بن گئے۔

جب فائرنگ کا سلسلہ ذرا تھما تو جوانوں نے اِن کی تلاش شروع کی اور پھر ایک ٹیلے کی اوٹ میں دونوں کو زمین پر پڑا دیکھا۔ کیپٹن عامر شدید زخمی حالت میں تھے جبکہ لیفٹیننٹ عباس شہادت پا چکے تھے۔ اس طرح لیفٹیننٹ عباس نے اپنی جان دے کر کیپٹن عامر کی زندگی بچالی تھی۔ اس واقعے کو اب دو سال ہو چلے ہیں لیکن کیپٹن عامر اپنے دوست اور ساتھی کے اس سچے فوجی جذبے اور فرض شناسی کو نہیں بھول پائے۔ وہ اکثر یہ گانا سُنتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

کیپٹن عامر کی کہانی سُن کر مُجھے احساس ہوا کہ واقعی یہی وہ بے خوفی اور فرض شناسی کا جذبہ ہے جو ہمارے فوجیوں کو دُشمن پر برتری دلاتا ہے۔ کُچھ دیر ہم دونوں اسی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ پس منظر میں وہی گیت گونج رہا تھا ..(مُجھے چھوڑ کر اکیلا کہیں دور جانے والے) پھر اچانک میجر کاظم نے گفتگو کے سلسلے کو وہیں سے جوڑا جہاں سے چھوڑا تھا۔ اچھا تو آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی۔ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم مری میں مکمل کی۔ مری میں۔۔۔؟ میجر کاظم نے اپنی کُرسی کو ذرا قریب کھسکا کر تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔۔۔ کب۔۔۔؟ مری میں۔۔؟ کہاں۔۔؟ 1969 میں گورنمنٹ ہائی سکول مری سے میٹرک کیا اور اُس کے بعد کی تعلیم کا سلسلہ راولپنڈی میں جاری رہا۔

میجر کاظم کے چہرے پر تجسس اور حیرت کے ملے جُلے تاثرات کو میں بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ پھر اُس نے عجلت میں کئی اور سوال کر ڈالے۔۔۔ کون سا سیکشن تھا۔۔۔ اساتذہ اور دوستوں کے نام وغیرہ وغیرہ۔ اُس کی آنکھوں سے حیرت ٹپک رہی تھی۔۔۔ اچانک وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا اور بغلگیر ہو کر بولا۔ ارے مجھے پہچانا نہیں میں کامی ہوں کامی۔۔۔ یاد ہے تُم مجھے کلاس میں کامی کہہ کر بلاتے تھے۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔۔۔ ارے تُم کامی ہو۔۔۔ فوج کی پُر مشقت زندگی نے اُس کے چہرے کے خدوخال کو یکسر بدل دیا تھا۔ پھر کافی دیر تک ہم پھٹی پھٹی نظروں سے ایک دوسرے کے چہرے پر اپنے اپنے لڑکپن کے دھُندلے نقوش کو پڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔۔۔

اگلے روز کاظم دفتر سے رُخصت لے کر مُجھے خود راولپنڈی میرے گھر واپس چھوڑنے آیا۔ راستے بھر ہم اپنے سکول کے زمانے کی باتیں کر کے خوب لُطف اندوز ہوتے رہے۔ اُس نے مجھے میرا وہ واقعہ بھی یاد دلایا جب ایک روز ہوم ورک نہ کرنے کے لئے سزا کے طور پر ماسٹر خداداد نے دوسرے لڑکوں کے ساتھ مجھے بھی مرغا بن کر کان پکڑنے کو کہا اور میں نے شرارت کے طور پر دوسرے لڑکوں کے برعکس پاؤں پر مُرغا بننے کی بجائے کمر کے بل اُلٹا لیٹ کر مُرغا بن کر دکھایا۔ اس پر نہ صرف ساری کلاس مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئی بلکہ ماسٹر خداداد بھی میری اس حرکت سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور میری سزا معاف کر دی۔ باتوں ہی باتوں میں کب سفر مکمل ہوا ہمیں پتہ ہی نہیں چلا۔ کاظم مجھے گھر چھوڑ کر واپس سیالکوٹ روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد چند سال تک ہم باقاعدگی سے ملتے رہے۔ ایک روز اچانک وہ غائب ہو گیا۔ میں نے اُسے کافی ڈھونڈا لیکن اُس کا کُچھ پتہ نہ چلا۔ پھر مجھے کُچھ ایسی اطلاعات بھی ملیں جنہیں دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ میں نے اس لئے اُس کی تلاش ترک کر دی کہ کہیں کسی نئی اطلاع پر میرے انتظار کا سلسلہ بھی نہ ٹوٹ جائے۔ اب بھی کبھی جب کہیں وہ گیت بجتا ہے تو کُچھ پرانی یادیں پھر سے بڑی شدت کے ساتھ تازہ ہو جاتی ہیں۔

حمید اختر فلم ریڈیو اور ٹی وی کے حوالے سے ایک معروف نام ہیں۔ آپ نے بی بی سی اور وائس آف امریکہ کے لئے بھی کام کیا اور ان دنوں امریکہ میں مقیم ہیں۔
rugs2rugs@yahoo.com

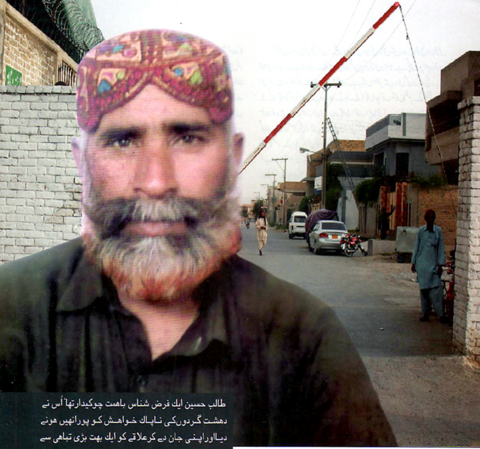

طالب حسین ایک فرض شناس باہمت چوکیدار تھا' اُس نے دہشت گردوں کی ناپاک خواہش کو پورا نہیں ہونے دیا اور اپنی جان دے کر علاقے کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچا لیا اور شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہوا۔ جس پر نہ صرف بلوچستان بلکہ پورے ملک کے عوام بھی اپنے اس شہید پر فخر کرنے پر حق بجانب ہیں۔ ■

بلوچستان کا بہادر سپوت

تحریر: فہیم خان

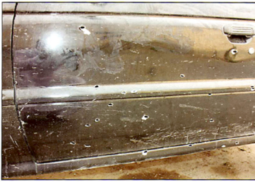

بدقسمتی سے وطن عزیز پاکستان گزشتہ کئی عشروں سے اندرونی و بیرونی دہشت گردی کا شکار چلا آرہا ہے لیکن اس وقت لمحہ اطمینان یہ ہے کہ حکومت اور مسلح افواج دہشت گردی کی صورتحال اور ہلاکت خیز منظرنامے کا نوٹس لیتے ہوئے اس کے سدباب کے لئے ایک ہی صفحے پر موجود ہیں اور اس کے نتیجہ میں مختصر عرصے میں پاک فوج نے دیگر فورسز کے ہمراہ پوری قوت کے ساتھ دہشت گردوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔ جس کی وجہ سے عام لوگوں میں بھی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال طالب حسین ہے جس نے کوئٹہ شہر میں چاندرات کو دہشت گردی کی ایک خوفناک کارروائی کو اپنی قیمتی جان دے کر ناکام بنایا۔ ملک دشمن عناصر نے اس کارروائی کے لئے ایک ایسے وقت کا انتخاب کیا جب مسلمان رمضان شریف کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کے بعد اگلی صبح عیدسعید منانے کی تیاری کے لئے چاندرات کو خریداری میں مصروف تھے۔ اس پرامن منظر کو آگ اور خون میں نہلانے کے لئے دہشت گردوں نے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جہاں ایک سویلین چوکیدار ہی موجود ہوتا ہے کہ اُس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک خودکش حملہ آور کو زنانہ لباس میں ٹارگٹ کی جانب بھیجا جائے' لیکن دہشت گردوں کی یہ خام خیالی تھی۔ طالب حسین ایک فرض شناس باہمت چوکیدار تھا' اُس نے دہشت گردوں کی ناپاک خواہش کو پورا نہیں ہونے دیا اور اپنی جان دے کر علاقے کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچا لیا اور شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہوا۔ جس پر نہ صرف بلوچستان بلکہ پورے ملک کے عوام بھی اپنے اس شہید پر فخر کرنے پر حق بجانب ہیں۔ اس موقع پر راقم نے شہید کے بیٹے احسان علی اور اس واقعہ کے عینی شاہد طالب حسین کے بھانج نادر علی سے گفتگو کی جو نذر قارئین ہے۔

احسان علی طالب حسین کا بڑا بیٹا ہے اور 24 گھنٹے کی چوکیداری میں اُس کا ہاتھ بھی بٹاتا تھا' اُس نے بتایا کہ چاندرات کو والد صاحب اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے' میرا چھوٹا کزن نادر علی بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ میں قریبی دکان پر گیا ہوا تھا کہ اچانک میں نے ایک خوفناک دھماکے کی آواز سنی۔ میں پریشان ہو گیا اور دوڑ کر دھماکے کی جگہ پہنچا جہاں صرف خون اور انسانی اعضاء بکھرے ہوئے تھے۔ ایک جانب میرے والد کی لاش بھی خون میں لت پت پڑی ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ایک دہشت گرد کو روکتے ہوئے والد صاحب شہید ہو گئے ہیں۔ ہم لوگ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں' ہمارا تعلق بلوچستان کے علاقے ڈیرہ اللہ یار سے ہے' جہاں چار سال قبل آنے والا سیلاب ہمارا تمام اثاثہ بہا کر لے گیا۔ پھر ہم لوگ مزدوری کے لئے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ کوئٹہ آگئے۔ کچھ دنوں بعد مجھے اور میرے والد صاحب کو ریلوے ہاؤسنگ سوسائٹی میں ماہانہ 9 ہزار روپے کی اجرت پر چوکیداری کی ملازمت مل گئی۔ میرے والد صاحب پچھلے چار سال سے نہایت ایمانداری اور ذمہ داری کے ساتھ ڈیوٹی انجام دے رہے تھے کہ اچانک یہ واقعہ پیش آگیا۔ اس واقعے کے بعد جنرل راحیل شریف صاحب نے میرے والد کے جرات مندانہ اقدام کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا اور کور کمانڈر بلوچستان لیفٹیننٹ جنرل ناصر خان جنجوعہ، کمانڈر ایف سی بلوچستان میجر جنرل شیر افگن اور صوبائی حکومت کے ذمہ داران نے تشریف لا کر ہماری بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ آج ہم اپنے والد کی اس قربانی پر بے حد فخر محسوس کرتے ہیں۔

نادر علی جو شہید طالب حسین کا بھانجا ہے' وہ اُس واقعے کے موقع پر اپنے ماموں کے ہمراہ گیٹ پر موجود تھا' اُس نے بتایا کہ تقریباً ساڑھے دس اور گیارہ بجے کے درمیان زنانہ لباس اور کالی چادر میں ملبوس ایک فرد گیٹ کے اندر داخل ہو کر آگے بڑھ گیا جس پر ماموں کو کچھ شک ہوا اور انہوں نے فوری طور پر اُسے آواز دی لیکن وہ فرد تیزی سے آگے

بڑھتا چلا گیا۔ اب ماموں کو یقین ہوگیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ ماموں نے وقت ضائع کئے بغیر اُس فرد کا تعاقب کیا۔ اس دوران اُس کو مسلسل آوازیں دیتے رہے پھر ماموں نے بے خوف ہوکر اُس دہشت گرد کے پیچھے دوڑنا شروع کردیا اور آخر تھوڑی دور جا کر اُسے قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن اُس دہشت گرد نے ماموں کو دھکا دے کر اپنے آپ کو ایک دھماکے سے اُڑا لیا۔ دھماکے سے میں بھی زمین پر گر پڑا اور میرا ایک پاؤں بھی زخمی ہوگیا۔ ہر طرف دھول اور مٹی کا غبار تھا۔ کچھ دیر بعد مٹی کا غبار کم ہوا اور میں نے کچھ ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ ہر جانب انسانی اعضا بکھرے ہوئے تھے اور ایک جانب میرے ماموں طالب حسین کی لاش خون میں لت پت پڑی ہوئی تھی۔

اس واقعہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کسی فرد کا خاص یا عام ہونا کسی اہمیت کا حامل نہیں ہے بلکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ قومی امور میں کتنا بیدار ہے اور صاحب اقتدار اُس کی بیداری کو کس حد تک عزت و توقیر دیتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ جہاں طالب حسین شہید نے اپنی ہمت اور حوصلے سے وطنِ عزیز کے لوگوں کی حفاظت کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا' وہیں چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف، کمانڈر سدرن کمانڈ لیفٹیننٹ جنرل ناصر خان جنجوعہ، آئی جی ایف سی بلوچستان میجر جنرل شیر افگن اور صوبائی وزیر اعلیٰ و وزیر داخلہ نے شہید طالب حسین کے جذبہ قربانی کو نہ صرف خراج تحسین پیش کیا بلکہ مزید ایک قدم آگے بڑھ کر اُس غریب خاندان کی کفالت کے لئے حوصلہ افزا عملی مظاہرہ بھی کیا۔

ہمیں قوی امید ہے کہ بلوچستان کی صوبائی حکومت اپنے اعلان کے مطابق جلد از جلد شہید کے لواحقین کی مالی امداد کرے گی اور بڑے بیٹے کو معقول روزگار بھی فراہم کرے گی۔ انشاء اللہ دہشت گردی کے خلاف عام آدمی میں پیدا ہونے والا یہ جذبہ بہت جلد مملکت خداداد پاکستان کو اس دہشت گردی کی لعنت سے پاک کردے گا۔

fakhan2012@gmail.com

امریکی فضائیہ کی ڈپٹی انڈر سیکرٹری کی پاک فضائیہ کے سربراہ سے ملاقات

گزشتہ دنوں امریکی فضائیہ کی ڈپٹی انڈر سیکرٹری، مس ہیڈی گرانٹ نے ائیر ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد میں پاک فضائیہ کے سربراہ ائیر چیف مارشل سہیل امان سے ملاقات کی۔ ملاقات میں پیشہ وارانہ دلچسپی کے امور اور خطے کے موجودہ سکیورٹی مسائل اور تعاون کے معاملات زیر بحث آئے۔ بعد ازاں انہیں پاک فضائیہ کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی گئی۔ دونوں شخصیات نے اس موقع پر سووینیرز کا تبادلہ بھی کیا۔

افواج پاکستان سب کی شان

افواجِ پاکستان سب کی شان، صدق و یقیں کا زندہ نشان
ملک و قوم کا مان تران، افواجِ پاکستان سب کی شان

سرحدوں کی حفاظت اس کا احسان، شہادت کا جذبہ اس کا ایمان
جان و دل سے کر کے خدمت، قوم کے پورے کرے ارمان

افواجِ پاکستان سب کی شان

وقت ضرورت پہ ڈٹ جائے، قدم اُٹھائے بڑھتی جائے
صبح درخشاں سے اندھیرے ہٹائے، جرأت و ہمت کی کڑی کمان

افواجِ پاکستان سب کی شان

اللہ رکھے عزت اس کی، یہ وطن کی سدا رکھوالی
جب بھی پکارو دوڑ کے آئے، اس کی اپنی یہ پہچان

افواجِ پاکستان سب کی شان
ملک و قوم کا مان تران، افواجِ پاکستان

جنگ ستمبر 1965 کے دوران محمد اعظم خان، ریڈیو پاکستان لاہور میں میوزک پروڈیوسر تھے۔ ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس وقت کے مشہور جنگی نغموں میں سے متعدد نغموں کی ریکارڈنگ انہوں نے کی۔

محمد اعظم خان

میں نے ماں کا چہرہ غور سے کب دیکھا تھا۔۔۔؟

(ماں کی عظیم ہستی کے حوالے سے ایک خوبصورت تحریر)

محمد توفیق

پاک فوج کے سپہ سالار جنرل راحیل شریف نے اگلے مورچوں پر جوانوں سے خطاب میں کہا: ''دفاع وطن کے مقدس فریضے کی انجام دہی کے لئے گھر سے دور رہنا پاک فوج کی ایک شاندار اور قابل فخر روایت ہے۔'' سپہ سالار اپنی والدہ ماجدہ کی رحلت کے اگلے روز اپنے جوانوں کے ساتھ تھے۔ فوجی اور خانہ بدوش میں یہ قدر مشترک ہوتی ہے کہ ان کا پڑاؤ ہمیشہ عارضی ہوتا ہے اور جلدی ہی انہیں ڈیرے' خیمے' اکھاڑ کر نئی منزل کی راہ لینا ہوتی ہے۔ ایک فوجی افسر کے گھر آنکھ کھولنے اور ہوش سنبھالنے کے ناتے اس شاندار اور خوشگوار ہجرت کا شاہد اور امین ہوں۔ اس زمانے میں ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ کا گھریلو سامان مختصر سا ہوتا تھا۔ دو بڑے ٹرنک، بستر، کپڑوں اور برتنوں کے لئے چند لکڑی کے کریٹ فرنیچر کے لئے جن میں اس کا مختصر جہاں سمٹ آتا۔ ڈھاکہ اور رنگ پور، کھٹمنڈو، کراچی، لاہور، پنڈی، کوئٹہ غرض امی جی ہر شہر کی تہذیب، ذائقے اور رکھ رکھاؤ سے آشنا ہوئیں۔ لیکن ظرف اتنا بڑھا کہ کھٹمنڈو اور ایچی سن کالج میں محل نما رہائش میسر آئی تو چھلکا نہیں اور جھنگی سیداں میں دو کمرے کا کوارٹر ملا تو بھی شکر سے لبریز رہا۔ کسی فلسفی نے کہا تھا۔ ''خدا نے ماں اس لئے بنائی کہ وہ خود ہر گھر میں نہیں رہ سکتا۔'' لیکن ہر بن باس کاٹنے کے بعد گھوم پھر کر پڑاؤ ایبٹ آباد ہی بنا۔

تمام خانہ بدوشوں میں مشترک ہے یہ بات
سب اپنے اپنے گھروں کو پلٹ کے دیکھتے ہیں

ایک بار میں نے پاکستان آرمی کے نامور ڈاکٹر جنرل عبدالاحد نجمی سے پوچھا: ''صحت دوا میں ہوتی ہے یا دعا میں'' انہوں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''اگر مرض چھوٹا ہو تو دوا اور بڑا ہو تو دعا میں۔'' میں نے پوچھا: ''اور دعا سے مریض کتنے عرصے میں ٹھیک ہو جاتا ہے'' انہوں نے کہا: ''مریض خود کرے تو عرصہ لگ جاتا ہے اور اگر ماں کرے تو جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''ماں کیوں'' جنرل نجمی نے جواب دیا ''ماں کی دعا میں تڑپ ہوتی ہے یہ منہ سے کچھ نہیں کہتی لیکن اس کا انگ انگ دعا بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی زبان تڑپ ہے اور اللہ تعالیٰ اس وقت ہمیشہ کرم کرتا ہے۔'' لاریب ساری دنیا کی مائیں ایک سی ہوتی ہیں۔ اشفاق احمد نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی والدہ ''سرداراں بیگم'' کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ اپنے کسی کار خیر، کسی بھلائی، کسی ہمدردی کا صلہ نہیں چاہتی تھیں، مرنے کے کچھ دن بعد ہم سب بھائی بہن قبرستان گئے تو قبر تلاش نہ کر سکے۔ ماں نے اپنی قبر کہیں چھپا لی تھی کہ ہمیں بار بار یہاں آنے، پھول چڑھانے، فاتحہ پڑھنے کی زحمت نہ ہو۔'' معروف قانون دان چودھری اکرام وکالت کے ابتدائی دنوں کے ایک کیس کا ذکر یوں کرتے ہیں: ''ایک نیم پاگل سے بیٹے نے چھری گھونپ کر ماں کو ہلاک کر دیا۔ یہ وقوعہ گھر میں موجود کئی افراد نے دیکھا لیکن جب شدید ضرب سے جاں بہ لب ماں کی نبضیں ڈوب رہی تھیں اور دل کی دھڑکنیں بیٹھ رہی تھیں تو اس نے پولیس کو اپنا بیان نزعی قلم بند کراتے ہوئے کہا: ''مجھے میرے بیٹے نے نہیں مارا، یہ سب

لوگ غلط کہہ رہے ہیں، میں نے خود اپنے آپ کو چھری ماری ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: "اے رب! جنت میں میرا ساتھی کون ہوگا؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ تیرے شہر کا فلاں شخص قصاب جنت میں تیرا ساتھی ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً اس قصاب کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ اس وقت وہ اپنی دوکان بند کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گوشت تھا۔ موسیٰ

علیہ السلام نے اس سے اس کا مہمان بننے کی درخواست کی جو اس نے خندہ پیشانی سے قبول کر لی۔ وہ قصاب گھر گیا۔ گھر کا دروازہ کھولا۔ وہاں اس کی ایک سو دس سالہ ماں چٹائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ قصاب نے اپنی ماں کا ماتھا چوما۔ اس کا منہ دھویا۔ بستر پر لٹا کر گوشت پکایا اور اپنی بوڑھی ماں کو اس طرح کھلایا جس طرح کوئی چڑیا اپنے بچوں کو کھلاتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ بوڑھی ماں کی خدمت کے بعد اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کھانا کھلایا۔ موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ سب اس کی بوڑھی ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ یہ شخص جنت میں میرا پڑوسی ہوگا۔ ماں کی خدمت کے بعد جب وہ شخص جانے لگا تو اس کی ماں نے اس کے کان میں سرگوشی کی جس پر وہ شخص مسکرایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قصاب سے پوچھا کہ تیرے کان میں تیری ماں نے کیا کہا جس پر تو مسکرایا۔ قصاب نے کہا کہ جب بھی میں ماں سے رخصت ہونے لگتا ہوں تو یہ میرے کان میں کہتی ہے کہ جا بیٹا جنت میں تیرا گھر موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس میں ہوگا تو میں مسکرا دیتا ہوں کہ کہاں میں شہر کا معمولی سا قصاب اور کہاں اللہ کا جلیل القدر پیغمبر۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیری ماں درست کہتی ہے کہ تو جنت میں میرا پڑوسی ہوگا۔

26 جولائی 2009 کی سہ پہر تین بج کر سات منٹ پر پی او ایف ہسپتال کے آئی۔ سی۔ یو وارڈ کے بیڈ نمبر 3 پر دراز امی جی کے پیروں کو میں نے دھیرے سے سہلایا تو انھوں نے گہری غنودگی سے چند لمحوں کی مہلت مانگ کر آنکھیں

کھولیں، یوں بھی کہتے ہیں کہ ''نیند موت کی چھوٹی بہن ہے'' ڈاکٹر وسیم الدین کی قیادت میں مسیحاؤں کی پوری ٹیم ان کے اردگرد حصار بنائے ان کی جان بچانے ملک الموت سے فیصلہ کن مذاکرات میں مصروف تھی۔ ان کے سرہانے نصب مانیٹر پر دل کی دھڑکن، فشارخون اور شوگر کی بے ترتیب چیختی چنگھاڑتی لہریں بے بسی سے سگنل دے رہی تھیں کہ ''میں نے خدا کو اپنے ارادے کی شکست سے پہچانا۔'' امی جی کے چہرے پر آکسیجن ماسک، ناک میں خوراک کی نالی، دونوں بازوؤں پر گلوکوز اور پروٹین کی ڈرپس، سینے اور پیٹ پر ان گنت طبی آلات نصب تھے مگر ان تمام جدید طبی آلات کی مشترکہ کاوشیں بھی ان کا فشارخون 35 سے بلند کرنے میں گزشتہ کئی گھنٹوں سے مسلسل ناکام چلی آ رہی تھیں۔ ادھر ادھر بھاگتے، آنکھیں چراتے ڈاکٹروں کے بے تاثر چہرے گویا اپنی شکست کی چغلی کھا رہے تھے۔ ڈاکٹر اگر کسی کو زندگی دے سکتے تو کوئی ڈاکٹر خود موت کا ذائقہ نہ چکھتا۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ''شفا خدا دیتا ہے اور فیس ڈاکٹر لیتا ہے۔''

پانی پلانے کے گلوگیر استفسار پر ان کی آنکھوں میں رضامندی کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ نقاہت کے باعث وہ بولنے یا سر کو جنبش دینے سے قاصر ہو چکی تھیں۔ ان کے سرہانے بیٹھ کر میں نے آہستگی سے سر کو بلند کیا چہرے سے آکسیجن ماسک ہٹا کر پانی کا گلاس ان کے ہونٹوں سے لگایا تو انہوں نے ادھورا گھونٹ لیا اس لمحے میں نے ان کے ہونٹوں کے اطراف رُوؤں کو کانٹوں کی مانند کھڑے محسوس کیا۔ وجدان نے قدرت کا اشارہ بھانپ لیا اور جھک کر ان کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں کلمہ ادا کیا تو وہ آخری مرتبہ بیدار ہوئیں، میری درخواست پر انہوں نے چار مختصر اقساط میں ملتے لبوں سے کلمہ ادا کیا جس کے اختتام پر ان کا سر دائیں جانب ڈھلک گیا۔ ان کی نبض تھامے ڈاکٹر نے برف جیسے سرد لہجے میں ہولے سے کہا: ''Sir, she is no more.'' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے محسوس ہوا ان کے پاؤں کے قریب کھڑے بیٹے ایسے سیارچے بن گئے ہوں جو اپنے سیٹلائیٹ کی کشش ثقل سے آزاد ہو کر خلاء میں ہمیشہ کے لئے معلق ہو گئے ہوں اور ہسپتال کی چھت اُڑ گئی ہو۔ امی جی کا وصال ایسے زلزلے سے مشابہ تھا، جس کے ساتھ اونچی عمارتیں ماتھا جوڑ کر بہہ جاتی ہیں، ہزاروں واٹ کی بجلی گر کر سب کچھ بھسم کر جاتی ہے، وہ جس خاموشی سے دنیا میں رہیں، اسی خاموشی سے عقبیٰ کو سدھار گئیں۔ غالباً اسی حسین خاتمے کے لئے وہ اکثر دعا مانگا کرتی تھیں۔ مارٹر نے کہا تھا: ''جان توڑ محنت، ٹوٹا ہوا دل، آنسوؤں سے لبریز آنکھیں، خاموش ہونٹ اور پوشیدہ ارمانوں کی تپش! اس دنیا میں کوئی بھی عورت خاموش نہیں ہے'' اور ماں کی تو پوری حیات اس چھوٹے سے جملے میں مقید ہے۔ ''وہ پیدا ہوئی، اس نے مصیبتیں برداشت کیں اور مرگئی۔''

اب میں اس کی قبر پر بیٹھا سوچ رہا ہوں
میں نے ماں کا چہرہ غور سے کب دیکھا تھا
جس دن میں نے آنکھیں کھولیں شاید اس دن
یا جب اس نے پھیر لیں آنکھیں تب دیکھا تھا

امی جی کی 64 سالہ زندگی کو اگر تین لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ ہوں گے ''دکھ، محبت اور خدمت۔'' ان کی شخصیت کسرنفسی، مظلومیت اور بے چارگی کے خمیر سے گندھی تھی۔ سادگی اور درویشی کا قرینہ اور رکھ رکھاؤ کچھ تو قدرت نے ان کی سرشت میں رکھا تھا اور کچھ یقیناً زندگی کے زیر و بم نے پیدا کیا تھا۔ امی جی کو کھلکھلا کر ہنستے تو شاید زندگی بھر نہیں دیکھا گیا، شفقت سے لبریز مسکراہٹ البتہ ان کا خاصہ تھی۔ ان کی مسکراہٹ ہمیشہ شیر خوار بچے کی مسکراہٹ ہوتی تھی معصوم، بے اختیار اور لمحاتی۔ 1989 میں پشاور میں آوارہ گولی کے ہاتھوں ڈاکٹر تنویر کی جواں موت کے بعد یہ مسکراہٹ بھی عنقا ہو گئی۔ گھر میں خوشی کا کوئی بھی موقع ہوتا وہ دل کے کسی کونے کھدرے سے جھاڑ پونچھ کر تنویر کو برآمد کر ہی لیتیں۔ ہر سال 9 جون کو اس کے یوم وفات کے موقع پر وہ اس کا سفید اوور کوٹ اور اسٹیتھو سکوپ بڑے اہتمام سے ہینگر پر آویزاں کرتیں، انہیں سہلاتیں، پچکارتیں اور اردگرد سے بے نیاز ہو کر خود کلامی کی کیفیت میں اس سے باتیں کرتیں، خصوصی اہتمام سے اس کے پسندیدہ کھانے اپنے ہاتھوں سے تیار کرتیں اور اہل محلہ میں تقسیم کرتیں۔ اس دن سارا گھر سوگواریت میں ڈوب جاتا اور ہر کوئی ان کا سامنا کرنے سے کتراتا۔ وہ زبان سے اپنے دکھ کا اظہار تو نہ کرتیں لیکن اس روز ان کا انگ انگ تنویر کی یاد میں لت پت ہوتا۔ سینیکا نے کہا تھا: ''ہلکے پھلکے غم اپنا اظہار کرتے ہیں لیکن گہرے غم خاموش رہتے ہیں۔'' وہ کبھی کبھار کہا کرتی تھیں۔ ''خدا کرے ہر ماں باپ کا جنازہ ان کی اولاد اُٹھائے لیکن کسی ماں باپ کو جوان اولاد کے جنازے کو کندھا نہ دینا پڑے۔'' عین عالم شباب میں تنویر کی وفات پر امی نے بس اتنا کہا تھا۔ ''اللہ دی چیز آہی، اللہ چاہ کیدی'' (اللہ کی چیز تھی، اللہ نے لے لی) لیکن یہ زخم ساری زندگی ان کے اندر رستا رہا اور وہ چھپ کر اکیلے میں خون کے آنسو رویا کرتیں۔ ملاقاتی خواتین کے بال بچوں کی تعلیم کا احوال وہ بڑی دلچسپی اور اخلاص سے سنتیں لیکن لاشعور میں چھپے خوف کا اظہار بھی کر ڈالتیں۔ ''بیٹی بچوں کو اعلیٰ تعلیم ضرور دلواؤ لیکن انہیں ڈاکٹر نہ بنانا، ڈاکٹر جلد مر جاتے ہیں۔'' وہ اپنی خوش بختی اور بیٹوں پر معصوم سا فخر کیا کرتی تھیں۔ ''یہ میرے خون جگر کے قطروں کے لگائے پودے ہیں''، لیکن اگر صبر و شکر، تسلیم و رضا کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو اس خوش بختی کے پردے میں کتنے دکھ، کتنے غم اور کتنے صدمے نظر آتے ہیں۔

کوئی تو روئے لپٹ کر جوان لاشوں سے
اسی لئے تو وہ بیٹوں کو مائیں دیتا ہے

خدا نے انہیں خاص بصیرت، خاص ذوق، خاص قسم کی کلچرل سینس عطا کر رکھی تھی۔ دنیاوی اعتبار سے وہ پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن ''فوک وزڈم'' کے بل بوتے پر بعض اوقات ایسی معرفت کی بات کہہ ڈالتیں کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ ایک مرتبہ ڈھاکہ کے قیام کے دوران ایک پڑوسی سیکنڈ لیفٹیننٹ کی نوبیاہتا دلہن ملنے آئیں جو کینئرڈ کالج کی طالبہ اور لاہور کے کسی ''ہائی فائی'' گھرانے کی چشم و چراغ تھیں۔ پہلے بچے کی پیدائش سے انہیں یہ

پرابلم لاحق تھی کہ بچہ رات کو بستر پر پیشاب کر ڈالتا ہے۔ جس سے ان کے کپڑے بھی ''ان ہائی جینک'' ہو جاتے ہیں۔ گفتگو کے دوران وہ تکرار سے اس پریشانی کا ذکر کرتی رہیں تو امی جی نے انہیں سمجھایا۔ ''بیٹی! جس ماں کے بستر پر بچہ پیشاب نہ کرے وہ عورت بدنصیب ہوتی ہے۔'' میرے پاس وہ کبھی کبھار اس پیشگی شرط کے ساتھ آتیں کہ رات ڈھلنے سے پہلے انہیں واپس اپنے پلنگ' اپنے کمرے تک پہنچا دیا جائے گا۔ انہیں رات باہر بسر کرنا معیوب لگتا تھا۔ میرے ہاں واہ میں قیام کے دوران ایک مرتبہ طلحہ بابا کے سر پر ان دنوں کتے پالنے کا جنون سوار تھا۔ امی اسے سمجھاتی رہیں کہ یوں پلّے کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے لیکن دھن کا پکا طلحہ بھلا کہاں باز آنے والا تھا۔ اس کے حد سے بڑھے جنون کی تسکین کے لئے ایک سیاہ لمبے کانوں والے ڈوگی کا بندوبست کیا گیا جسے اس نے دودھ پلا اور راتب کھلا کر بدہضمی میں مبتلا کر ڈالا۔ ایلیٹ نے کہا تھا ''جانور ایسے دوست ہوتے ہیں جو نہ سوالات کرتے ہیں نہ ہی نکتہ چینی۔'' وہ اسے سکول میں بھی ہمراہ لے جانے پر بضد ہوتا جس سے اسے بمشکل باز رکھا جاتا۔ ایک رات اس کے گلے میں رسی ڈال کر پھاٹک کے ساتھ باندھ کر سویا لیکن صبح اس نے رسی تڑائی اور فرار ہو گیا۔ طلحہ بابا تو اس کے غم میں نڈھال ہو گئے اور پڑوسیوں کے گھروں اور محلے میں اس کے ممکنہ اغوا کاروں کا سراغ لگانے میں جت گئے جن کی رالیں اس نوخیز پر ممکنہ طور پر ٹپک سکتی تھیں۔ لیکن اس کا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اب طلحہ نے مایوس ہو کر امی جی کے دامن میں پناہ لی اور سسکیاں بھرتے ہوئے گلہ کیا کہ یوں بچھڑ جانا تھا تو پھر دوستی کا ڈول ڈالا ہی کیوں تھا۔ امی جی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ ''بیٹا تمہارا ڈوگی شاید یہ جاننے، تجربہ کرنے آیا تھا کہ اپنے پیاروں کے ہاتھ سے سنگلی گلے میں ڈلوا کر دل پر کیا بیت جاتی ہے۔'' کتا ایکسپرٹ کتے کی عادتوں سے واقف تھا اس کے جذبات سے نہیں۔ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کے گلے میں سنگلی ڈال کر زندگی بھر گھسیٹتے رہتے ہیں۔ حالانکہ جس کا جتنا پرانا ساتھ ہوا، اتنا ہی اس کی بے وفائی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ پرانی دوستی جب دشمنی میں بدلتی ہے تو اس میں زہر زیادہ ہوتا ہے کہ تبدیلی کائنات کا ضمیر ہے۔

مجھ کو تھکنے نہیں دیتا ہے ضرورت کا پہاڑ
میرے بچے مجھے بوڑھا نہیں ہونے دیتے

امی جی کی علالت کے دوران گھر کے صحن میں لگے پھلوں کے وہ درخت جو عمر طبعی پوری کرنے کے باعث فرزند شجر پیدا کرنے سے معذور ہو چکے تھے، کاٹ دیئے گئے۔ یہ تو طے شدہ معاملہ ہے کہ اشجار پھلوں کو جب وہ پک جاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن کیا کبھی مالک، مٹی اور ماں بھی بانجھ ہو سکتے ہیں۔ درخت چاہے کتنا ہی اونچا کیوں نہ چلا جائے اس کی جڑیں زمین کو ہمیشہ ہوس سے کریدتی رہتی ہیں۔ للّی اب سہما سہما رہتا ہے امی جی کی بیساکھی چھوٹی تو اسے لامحالہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑے گا۔ جب ماں کی قربت کا گرم کمبل جسم سے اترتا ہے تو ہر ٹھٹھرتے آدمی کو خود ہی جاگرز پہن کر جاگنگ کر کے اپنے وجود کی حرارت کو برقرار رکھنے کا فن آجاتا ہے۔ امی جی سرد آہ بھر کر حسرت سے کہا کرتی تھیں ''للّی ٹھیک ہو جائے گا لیکن میری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد۔'' جس طرح لاٹری کا ٹکٹ لے کر یقین تو کسی کو نہیں ہوتا لیکن گمان رہتا ہے کہ شاید میرا نمبر ہی نکل آئے۔ امی جی کے گزر جانے کے بعد پانچ دن تک میں انیکسی میں اس موہوم امید کے ساتھ موجود رہا کہ شاید کسی صبح کوئی دھیرے سے دروازے کی جھری سے جھانکے اور کپکپاتے ہاتھوں سے دودھ کا لبریز گلاس اور تازہ اخبارات کا بنڈل میز پر لا کر رکھے کوئی ڈگمگاتے قدموں سے میرے لئے شلوار میں ازار بند ڈال کر غسل خانے میں لٹکا جائے، کوئی رات دیر گئے گھر آنے پر جھڑکے اور پھر اگلے ہی لمحے مصالحے میں سے لائی گئی کلیجی کھانے کے لئے لجاجت بھرا اصرار کرے۔ کوئی کمزور سی خاتون جھولیاں پھیلا کر بلاوجہ دعائیں دے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ امی جی زندگی کے جھمیلے میں کہیں کھو گئی ہیں۔ شاپنگ تو رہی نہیں رسید ہاتھ میں رکھنے کا کیا فائدہ۔ واقعی ماں کے بغیر گھر قبرستان معلوم ہوتا ہے۔

اضطراب بڑھا تو میں گھر سے چند قدم کے فاصلے پر واقع لحد پر چلا آیا۔ زندگی اور سفاک موت میں بھی تو فاصلہ چند قدم کا ہی ہوتا ہے ایک خواہشوں کا مسکن دوسری مسرتوں کا مدفن۔ لحد سے آواز آئی ''بیٹا! میرا مشن پورا ہو گیا زندگی ایک موج سے دریا ہے اُٹھنے کے بعد اگر وہ ساحل سے نہ ٹکرائے تو بھنور کی آنکھ اور مرنے والی کی آنکھیں اس کے ماتم میں روتی رہتی ہیں۔ موت انسان کی محسن ہے، یہ نہ آتی تو اس زندگی کو کتنی پائیداری ہوتی، جس میں حزن وملال کے سوا کچھ نہیں۔ فنا کے بقا کی آرزو محض خیالی ہے۔'' واقعی بڑے لوگ کوئی حشرات الارض تھوڑی ہوتے ہیں جو بلا مقصد زمین سے جمتے رہیں۔ ان کا جہاں میں قیام اور کوچ چند اصولوں وضابطوں کا پابند ہوا کرتا ہے۔ اپی کیورس نے کہا تھا۔ ''میں موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ جب ہم ہوتے ہیں تو موت نہیں ہوتی اور جب موت ہوتی ہے تو ہم نہیں ہوتے۔'' میرے اضطراب کو جیسے جواب مل گیا میں نے مسکرا کر دل ہی دل میں آرزو کا ایک چھوٹا سا چراغ روشن کیا اور لحد کی جانب دیکھا تا حدِ نگاہ چراغ ہی چراغ تا حد خیال روشنی ہی روشنی!۔

مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے
زیرِ زمیں بھی روشنی ہو!

(مضمون نگار' معروف براڈ کاسٹر' کمنٹیٹر' کالم نگار اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔)

taufiqm324@gmail.com

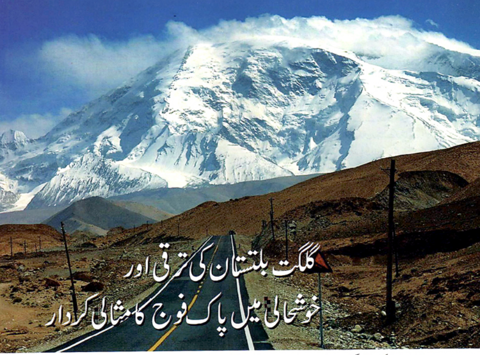

گلگت بلتستان کی ترقی اور خوشحالی میں پاک فوج کا مثالی کردار

یوں تو پاک فوج کا ملکی سلامتی، یکجہتی، دفاع، آزادی، سالمیت اور جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کیلئے ماضی بڑا سنہرا، تاریخی اور شاندار رہا ہے۔ آزادی کے صرف اٹھارہ سال بعد ستمبر 1965ء میں بھارت کی جانب سے وطن عزیز پر تھوپی گئی جارحیت کا جس بہادری اور شجاعت سے پاک آرمی نے دندان شکن جواب دیا، اُس کی دنیا کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں پوری قوم پاک فوج کی پشت پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑی تھی۔ 1965ء کی جنگ اور بعد کے معرکوں میں پاک فوج کی شجاعت، بہادری اور عظیم قربانیاں تاریخ میں رقم ہو چکی ہیں۔ پاک آرمی کا اپنے پیشہ وارانہ فرائض کے علاوہ ملک میں امن وامان کے قیام، زلزلوں، سیلاب، ٹریفک حادثات میں کلیدی کردار رہا ہے کیونکہ جب تک فوج آگے نہیں آتی ہے ہنگامی صورت حال پر ہرگز قابو نہیں پایا جاسکتا ہے۔ دنیا کے بلندترین محاذ جنگ (سیاچن) میں 22 ہزار فٹ کی بلندی پر منفی 50 ڈگری کی سردی سے لے کر سندھ کے تپتے صحراؤں میں فوج ہی ایک آخری سہارا ہے کیونکہ قدرتی آفات میں فنی، مالی اور انسانی وسائل سے خالی سول انتظامیہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتی۔

جہاں تک گلگت بلتستان کا تعلق ہے، ہر حکومت، ہر حکمران اور ہر ادارے نے اپنے مخصوص انداز میں علاقے کی ترقی اور خوشحالی کے لئے قابل تحسین کردار ادا کیا ہے لیکن اگر ان دشوار گزار، پہاڑی اور دفاعی نوعیت کے حساس ترین علاقوں میں پاک فوج اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ علاقے کی ترقی اور خوشحالی میں اپنا حصہ نہ ڈالتی تو آج گلگت بلتستان کا یہ نقشہ کچھ اور ہوتا۔ زلزلے سے پیش آنے والے حادثات ہوں یا سیلاب کی تباہ کاریاں، ٹریفک حادثات ہوں' سڑک اور پلوں کی فوری تعمیر ہو، فوج کا کردار نمایاں ہے۔ جب گلگت بلتستان میں پہلی مرتبہ 80 کے عشرے میں ٹیلی فون کا نظام قائم کیا جارہا تھا تب بھی پاک آرمی کے شعبہ سگنل کے آفیسرز اور جوان ان دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر کام کر رہے تھے اور لائنیں نصب کرتے ہوئے درجنوں جوان شہید ہو گئے اور آج تک SCO ہی ٹیلی فون کا نظام کامیابی سے چلا رہی ہے۔ 1980ء کے عشرے میں ہی پاک فوج کے انجینئرز (FWO) نے گلگت سے سکردو تک شاہراہ قراقرم تعمیر کی اور اس سڑک کی تعمیر کے دوران افسروں اور جوانوں نے جام شہادت نوش کیا لیکن بلتستان کے عوام کے لئے ایک عظیم تحفہ دیا اور پہلی مرتبہ ستمبر 1980ء میں سکردو میں بسوں کی آمدورفت شروع ہوئی اور ترقی اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ 1989ء کے دوران ہی سکردو سے گوگما (سیاچن ضلع گانگ چھے) تک سڑک بھی FWO نے برق رفتاری سے تعمیر کی اور یہ

سید بہادر علی سالک

سڑک FWO کے جوانوں کی تعمیر کردہ ایک عظیم شاہکار ہے۔ 1983ء میں کمنگو کھرمنگ میں آسمانی بجلی گرنے سے ہونے والی تباہی کے دن ہوں، 2005ء میں غواڑی اور کورو (ضلع گانگ چھے) میں آنے والے سیلاب کی تباہ کاریاں ہوں، 2010ء میں قمراہ اور تلس کے علاقوں میں ہونے والی سیلابی تباہ کاریاں اور 2011 کے تلس میں دوبارہ آنے والا سیلاب، عطا آباد جھیل کا واقعہ ہو یا 2014ء میں کھرمنگ روڈ پر ہونے والے ٹریفک حادثات، پاک فوج نے ذمہ دارانہ، مثالی اور عوام دوستانہ کارنامے انجام دیے جو قوم کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے۔ پاک فوج نے 1948ء میں آزادی کے بعد سکردو اور گلگت ہسپتالوں کا نظام بھی سنبھالا جو جنرل اشفاق پرویز کیانی کی جانب سے 2010ء میں سویلین اداروں سے فوجی افسروں کو واپس بلانے کے فیصلے تک جاری رہا اور یہ نظام انتہائی موثر اور نظم وضبط کے لحاظ سے انتہائی قابل تحسین تھا۔ 2010ء کے بعد جب MS/آرمی سرجن/آرمی سپیشلسٹ ڈاکٹروں کو ہسپتالوں سے واپس بلالیا گیا تب سے ہسپتالوں میں نظم وضبط ختم ہو چکا ہے۔ آرمی کی جانب سے آنے والی ادویات کی فراہمی بند ہو گئی ہے۔ صفائی کا وہ نظام جو ایک DHQ کے شایان شان ہوتا ہے ختم ہو چکا ہے۔ تاہم پاک آرمی کے ہسپتالوں میں اب بھی سویلین مریضوں کا علاج معالجہ مفت ہوا کرتا ہے بلکہ مریضوں کے ساتھ آنے والے لواحقین کو بھی مفت کھانا دیا جاتا ہے جن میں گونگما ہسپتال (سیاچن) طوطتی کھرمنگ، منی مرگ (استور) سکسہ 32-MST (شیوک سیکٹر) شامل ہیں۔ پاک آرمی کی جانب سے لگائے جانے والے فری میڈیکل کیمپس الگ سہولتیں فراہم کررہے ہیں۔ پاک آرمی نے گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں میں نہ صرف اپنی نگرانی میں آرمی پبلک سکولز قائم کررکھے ہیں جہاں معیاری اور جدید تعلیم دی جاتی ہے، ان میں آرمی پبلک سکول جٹیال گلگت، آرمی پبلک سکول دیامر، آرمی پبلک سکول سکردو اور آرمی پبلک سکول چلو شامل ہیں۔ کیڈٹ کالج سکردو اور پبلک سکول اینڈ کالج سکردو کا اگر نام ہے تو صرف حاضر سروس آرمی آفیسرز کی سربراہی کی وجہ سے ہے اور ان تعلیمی اداروں کا نہ صرف گلگت بلتستان میں بلکہ پورے ملک میں بڑا نام ہے۔ میں یہاں یکم مئی 1999ء کے اُن یادگاری لمحات اور باتوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جب راقم پانچ دوسرے صحافیوں کے ساتھ سیاچن کے دورے پر گیا اور رات پاک فوج کے ساتھ گیانگ میں گزاری۔ ایک کپتان کے بازو پر پلستر لگا ہوا تھا' ہم نے پوچھا: کپتان صاحب کیا ہوا کہنے لگا کہ بلندی سے نیچے آتے ہوئے گرا اور بازو ٹوٹ گیا۔ یہ میرا دوسرا ٹینیور رہے اور میں اپنی خوشی اور رضامندی سے وطن عزیز کی خدمت کے لئے دوسری مرتبہ سیاچن کے سخت محاذ پر آیا ہوں۔ اُن کے عزم، حوصلے اور جرأت کو سلام۔ انہوں نے کہا کہ ایک بازو تو کیا سارا جسم بھی وطن عزیز کیلئے ضائع ہو تو بھی مجھے فخر ہے۔ یہ جذبہ ایمانی، جذبہ اسلام اور جذبہ جہاد ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے اور شہادت کی تمنا کرتے ہیں۔ یونٹ کے کرنل صاحب نے کہا کہ 18 سے 22 ہزار فٹ کی بلندی پر جوان اور آفیسر اگلو میں رہتے ہیں اور اکسیجن کی کمی اور منفی 50 ڈگری کی سردی سے پھیپھڑوں اور دماغ میں پانی بھر جاتا ہے اور اگر اُن کو واپس نیچے نہ لایا جائے تو جان بحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، چہرے کا رنگ کالا ہو جاتا ہے اگر احتیاط نہ کی جائے تو بینائی بھی جاتی ہے۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں فراسٹ بائیٹ کی وجہ سے کاٹنی پڑتی ہیں اور اتنی بلندی سے واپسی کے بعد جوان اور افسروں کی یاداشت اس حد تک کمزور پڑ جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں، گھر والوں اور ٹیلی فون نمبر تک بھی بھول جاتے ہیں، لیکن وطنِ عزیز کے دفاع کے جذبے سے سرشار یہ جوان اور افسر اپنی رات کی نیندیں اور اپنی صحت کو وطن پر قربان کرتے ہیں اور ہم اپنے اپنے گھروں میں سکون کی نیند سوتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں دشمنوں سے اتنا خطرہ نہیں جتنا موسمی حالات اور برفانی تودے گرنے سے ہے۔ اُن کا حوصلہ، صبر اور جذبہ ایمانی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ 1979ء سے 8 جون 2015ء تک گلگت بلتستان میں ہونے والے تمام انتخابات میں بھی فوج کا اہم اور کلیدی کردار رہا۔ خصوصاً اس سال کے الیکشن پاک فوج کی براہ راست نگرانی میں کروائے گئے کیونکہ عوام کی اولین خواہش یہی تھی۔ اس سال کے الیکشن کی غیر جانبداری، شفاف اور آزادانہ بنیادوں پر ہونے کی تصدیق نہ صرف سیاسی پارٹیوں، اُمیدواروں اور ملکی سطح پر کی گئی بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی تعریف کی گئی۔ اس سال اگر الیکشن فوج کی نگرانی میں نہ کروائے جاتے تو خون خرابے کا بہت بڑا خطرہ تھا کیونکہ 2009ء میں گلگت بلتستان میں ہونے والے انتخابات میں زبردست دھاندلی ہوئی اور کئی جگہوں پر فائرنگ کے واقعات بھی پیش آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ چیف الیکشن کمشنر گلگت بلتستان جسٹس (ر) سید طاہر علی شاہ نے گلگت بلتستان میں کامیاب، پُرامن اور شفاف الیکشن کے منعقد ہونے میں پہلا کریڈٹ مسلح افواج کو دیا۔

حالیہ سیلاب سے گلگت بلتستان میں ہونے والی تباہ کاریوں کے بعد بھی پاک فوج نے جو فوری امدادی کارروائیاں شروع کیں اُس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ اُدھر سیلاب آیا اِدھر فوج کے افسر اور جوان پکا پکایا کھانا لے کر متاثرین کے پاس پہنچ گئے اور بے یارو مددگار متاثرین کو بے سہارا ہونے کا احساس تک ہونے نہیں دیا۔ ضلعی انتظامیہ انسانی وسائل، فنی سہولتوں اور مالی وسائل سے محروم ہوتی ہے، ایسے میں فوج ہی واحد ادارہ رہ جاتا ہے جو آخری سہارا ہوتا ہے۔ دونوں اضلاع سکردو اور گانگ چھے میں ڈپٹی کمشنروں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں متاثرین کی مدد کیلئے بروئے کار لائیں اور اُن کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں لیکن گلگت بلتستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد امدادی کاموں کی نگرانی براہ راست فورس کمانڈر گلگت بلتستان کرتے رہے سویلین کی طرف سے چیف سیکریٹری گلگت بلتستان بھی انتہائی متحرک رہے ان امدادی کارروائیوں میں بریگیڈ کمانڈر سکردو اور کمانڈر سیاچن بریگیڈ بھی رات دن قابل تحسین کردار ادا کرتے رہے۔ اس بات میں دو رائے نہیں کہ پاک فوج نہ صرف ہماری قومی خودمختاری، سلامتی وخوشحالی کا ضامن ہے بلکہ امن وامان کے قیام اور ترقی وخوشحالی کا بھی ضامن ہے۔

sbasalikti@gmail.com

آرمی ایئر ڈیفنس کے کرنل کمانڈنٹ کی تعیناتی

چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف سابق چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل (ریٹائرڈ) احسان الحق کے ہمراہ آرمی ایئر ڈیفنس سینٹر ملیر کینٹ میں منعقدہ ایک تقریب میں لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الحسن شاہ کو کرنل کمانڈنٹ آرمی ایئر ڈیفنس کے رینکس لگا رہے ہیں۔ دریں اثناء چیف آف آرمی سٹاف نے یادگار شہداء پر حاضری دی اور شہداء کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی۔

چیف آف دی نیول سٹاف ایڈمرل ذکاء اللہ پاک نیوی کے زیر اہتمام سیلاب سے متاثرہ علاقے میں قائم کردہ طبی مرکز کے دورہ کے موقع پر مریض کی عیادت کر رہے ہیں

کمانڈر منگلا کور لیفٹیننٹ جنرل بلال حسین لاس اینجلس میں منعقد ہونے والی سپیشل اولمپکس میں دو سونے کے تمغے حاصل کرنے والے طالب علم جہانزیب اقبال کو انعام دے رہے ہیں

پاسنگ آؤٹ پریڈ
ریکروٹ کورس 2/14
آرمی سروس کور سینٹر

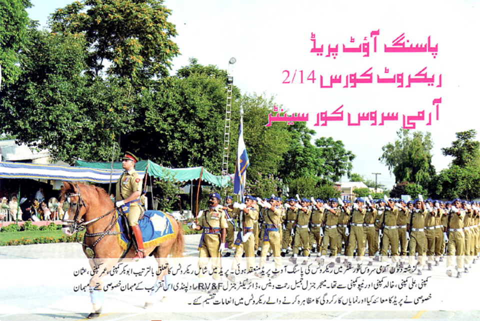

گزشتہ دنوں آرمی سروس کور سنٹر میں ریکروٹس کی پاسنگ آوٹ پریڈ منعقد ہوئی۔ پریڈ میں شامل ریکروٹس کا تعلق بالترتیب ابوبکر کمپنی، عمر کمپنی، عثمان کمپنی، علی کمپنی، خالد کمپنی اور ٹیپو کمپنی سے تھا۔ میجر جنرل جمیل رحمت وینس، ڈائریکٹر جنرل RV&F راولپنڈی اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ مہمان خصوصی نے پریڈ کا معائنہ کیا اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے ریکروٹس میں انعامات تقسیم کیے۔

پاکستان رینجرز (سندھ) پاسنگ آؤٹ پریڈ

گزشتہ دنوں پاکستان رینجرز (سندھ) کے ٹریننگ سینٹر اینڈ سکول میں رینجرز کے جوانوں کی پاسنگ آوٹ پریڈ منعقد ہوئی۔ پریڈ کے مہمانِ خصوصی کمانڈر کراچی کور لیفٹیننٹ جنرل نوید مختار تھے۔ انہوں نے پریڈ کا معائنہ کیا اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں میں انعامات تقسیم کیے۔

26نومبر 1948ء

وزیراعظم پاکستان کی مشرقی بنگال میں مصروفیتیں

وزیراعظم پاکستان مسٹر لیاقت علیخاں نے دولت مشترکہ کانفرنس لندن کے لئے روانہ ہونے سے قبل مشرقی پاکستان جانے کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ اس ایفائے عہد کے لئے آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ہمراہ ۱۰ نومبر کو ڈھاکہ پہنچے۔ ان کا گورنر مشرقی بنگال، وزیراعظم، میجر جنرل محمد ایوب خاں، جنرل آفیسر کمانڈنگ، مشرقی پاکستان اور دیگر حضرات نے استقبال کیا اور پنجاب رجمنٹ کے ایک یونٹ نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس دورے میں بیگم لیاقت علیخاں فلاحی کاموں میں مصروف رہیں اور انہوں نے ہسپتالوں اور عورتوں کے مختلف اداروں کا معائنہ کیا۔ وزیراعظم نے مختلف موقعوں پر جو تقریریں کیں۔ ان کے اہم نکات اور ان کی دیگر مصروفیتیں درج ذیل ہیں:-

وزیراعظم پاکستان نے ۱۹ نومبر کو مشرقی بنگال کی وزارت کے جلسے کی صدارت کی اور حاضرین کے سامنے دولت مشترکہ کانفرنس، بڑے بڑے لیڈروں سے اپنی ملاقات اور پاکستان سے متعلق دوسرے مسائلات پر روشنی ڈالی۔ بعد میں تمام وزراء سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ سہ پہر کے وقت وزیراعظم اپنی اہلیہ محترمہ بیگم کے ساتھ ایک پارٹی میں شریک ہوئے جو عوام کی جانب سے دی گئی تھی اور اس میں ممتاز افسروں اور شہریوں نے شرکت کی تھی۔ اس موقع پر ایسٹرن پاکستان رائفلز کے بینڈ نے باجا بجایا۔

پاکستان کا دفاع

بمقام کومسٹر لیاقت علی خاں نے مرکزی اور صوبائی افسروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ان کی تکالیف اور پریشانیوں کا علم ہے کیونکہ پاکستان کی ترقی کے مطابق تیز رفتاری کے ساتھ اقتصادی ترقی نہیں ہو سکی اور ابھی اس کام میں تاخیر ہوگی۔ حال دفاعی کام انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ انجام دئے جانے چاہئیں۔ پاکستان لاکھوں انسانوں کی قربانی سے وجود میں آیا ہے اور اسے ناقابل تسخیر بنانے کے لئے ہمیں ملک کے تمام وسائل صرف کردینے چاہئیں۔ وزیراعظم نے کہا کہ ہم یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک روز فاقے سے رہیں لیکن غلامی ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔

مسٹر لیاقت علی خاں نے افسروں سے کہا کہ اقلیتوں کے ساتھ صرف انصاف ہی کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرنا چاہیے۔ آپ نے اقلیتوں کے بارے میں قائداعظمؒ کے اقوال دہراتے ہوئے کہا کہ حکومت کے ہر ایک فرد کے ساتھ بلا لحاظ مذہب و ملت منصفانہ برتاؤ ہونا چاہیے۔ اسلام بھی یہی درس دیتا ہے۔ آپ نے افسروں پر زور دیا کہ اقلیتوں کے ساتھ پہلے سے بہتر برتاؤ کیجئے۔

وزیراعظم نے کہا کہ حالات بہتر بنانے کے لئے سب سے مقدم بات رشوت ستانی کا خاتمہ ہے۔ افسران کے نظریات میں بھی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ حکام اور عوام ہم آہنگی کے ساتھ خدمات انجام دیں۔ آخر میں آپ نے کہا کہ بسا اوقات سیاسی دباؤ کی وجہ سے افسران کو اپنے فیصلے کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حکومت افسران کے تحفظ کے لئے اقدام کر رہی ہے۔ لیکن آپ کا بھی فرض ہے کہ آپ متحد ہو کر سیاسی اثرات کا مقابلہ کریں۔ آپ نے صوبائی تعصب کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ پاکستان کی بہترین خدمت اپنے آپ کو اول اور آخر پاکستانی سمجھنا ہے۔

مارچ پاسٹ کے موقع پر سلامی

۲۰ نومبر کو ڈھاکہ میں ایسٹ پاکستان سب ایریا کے یونٹوں نے وزیراعظم پاکستان کو ایک شاندار مارچ پاسٹ کے موقع پر سلامی دی۔ اس تقریب میں گورنر بنگال سر فریڈرک بورن وزیراعظم مشرقی بنگال دیگر وزراء اور ممتاز سول افسران نے شرکت کی۔

مسٹر لیاقت علی خاں نے فوجیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ایک آزاد قوم کے لئے دفاعی عساکر کی اہمیت بتائی اور فوجیوں پر زور دیا کہ انہیں پاکستان کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ انہوں نے مسلح عساکر کی جانبازانہ اور بے غرض خدمات کی تعریف اور ڈسپلن کا اعلیٰ معیار قائم رکھنے کی تلقین کی۔

وزیراعظم نے جو ڈیفنس منسٹر بھی ہیں یہ بتایا کہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ تمام صوبوں کو ملکی دفاع کے معاملے میں پورے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ مشرقی بنگال کے عوام پاکستانی عساکر میں جوق در جوق شامل ہوں گے۔

مسٹر لیاقت علی خاں نے ۲۰ نومبر کو ڈھاکہ میں ایک لاکھ سے زائد آدمیوں کے مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی حفاظت کا مطلب تمام دنیائے اسلام کی حفاظت ہے۔ اگر ہماری سلطنت پر کوئی ضرب لگائی گئی تو تمام مسلم ممالک کا امن خطرے میں پڑ جائے گا۔ آپ نے اپیل کی کہ ہر مرد اور عورت کو اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ وزیراعظم نے عوام کو متنبہ کیا کہ بنگالی، سندھی اور پنجابی کا سوال چھوڑ دیں۔ آپ صرف پاکستانی ہیں۔

اقلیتوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک

مسٹر لیاقت علی خاں نے غیر مسلم پاکستانیوں کے خوف و ہراس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ آپ حضرات اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں سے جائیں۔ ہم اس عہد پر قائم ہیں جو قائداعظمؒ نے اقلیتوں کے ساتھ کیا تھا اور جس کے ہم نے وعدے کئے ہوئے ہیں کہ اقلیتوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا جائے۔ ہم ان کارروائیوں کا انتقام نہیں لینا چاہتے جو آپ کے ہم مذہبوں نے سرحد پار انجام دی ہیں۔ ہندوستانی صوبوں میں قتل و غارت گری کی گرم بازاری کے دوران میں بھی آپ امن و امان کے ساتھ رہتے رہے ہیں یہ ہمارے خلوص اور فراخ دلی کا ثبوت ہے۔ جس وقت وزیراعظم نے یہ جملہ کہا کہ پاکستان میں آپ کا مستقبل محفوظ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ پاکستان کی ترقی میں اپنا پورا حصہ ادا کریں تو جلسے میں شریک ہونے والے ہندوؤں نے پرزور تالیاں بجائیں۔

وزیراعظم نے کہا کہ جو لوگ مساوی حقوق کے طلبگار ہیں انہیں پاکستان کی ترقی، خوشحالی اور دفاع کے لئے بھی برابر کی ذمہ داری لینی چاہیے۔

ہندوؤں کے گھروں میں چراغاں

ہندوؤں پر اس تقریر کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے گھروں میں چراغاں کیا۔ وزیراعظم نے رشوت خوروں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

لال مونرہٹ اور پاربتی پور کے درمیان چالیس میل کے علاقے میں ریلوے لائن کے دونوں طرف عوام قطاریں باندھے کھڑے تھے تاکہ اپنے محبوب وزیراعظم کا دیدار کرسکیں۔ ان لوگوں نے "وزیراعظم زندہ باد" اور "پاکستان زندہ باد" کے پرجوش نعرے لگائے جس اسپیشل ٹرین میں آپ سفر کر رہے تھے اسے انجن سے لیکر پچھلے ڈبے تک خوب سجایا گیا تھا۔

ماہنامہ "بلال" 1948ء میں "مجاہد" کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا۔ خواجہ تصور علی اور کیپٹن آغا بابر اس کے بانی مدیران میں شامل تھے۔ 1951ء میں ہفت روزہ "مجاہد" سہ روزہ "بلال" بن کر منصۂ شہود پر ابھرا جو آج بھی پوری آب و تاب سے ماہنامہ "بلال" کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔

پاکستان
میری پہچان
BMA
Since 1952
60 سال سے زائد عرصے سے
سمجھدار ماؤں کا پہلا انتخاب
وِگورین ®
چلڈرن سیرپ
بچوں کی اچھی صحت
اور بہترین نشوونما کے لیے
ماں کا پیار اور وگورین
یقیناً بہترین
بھرپور قوت مدافعت
بہترین صحت
مظبوط ہڈیاں
info@bmapharma.com
facebook.com/bmapharma
UAN: (044) 111-262-123

مادر وطن کے جانباز رکھوالوں کو ہمارا سلام

سماجی خدمت کی قابلِ تقلید مثال

ملک بھر میں سماجی خدمات کا وسیع ترین نیٹ ورک

تعلیم و تربیت

- 103 سکولز اور کالجز
  - 40,700 طلبا و زیر تربیت
  - تعلیمی کارکردگی: GPA 5.04
- 66 ووکیشنل ٹریننگ سینٹرز
  - 3727 طالبات زیر تربیت
- 10 ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹرز
  - 5420 ٹرینیز
- تعلیمی وظائف
  - 47,098 سے زائد طلباء و طالبات کے لئے 158.763 ملین روپے کے وظائف

مفت طبی سہولیات

- طبی صحت کا سب سے بڑا غیر سرکاری نیٹ ورک
  - 11 ہسپتال (1500 بیڈ کی گنجائش)
  - 40 میڈیکل سینٹرز
  - 111 ڈسپنسریاں (سینٹرز اور موبائل)
- جدید سہولیات سے آراستہ طبی سہولیات
- 660 ڈاکٹرز اور 2024 پیرامیڈیکل سٹاف
- سالانہ 2.2 ملین مریضوں کا علاج
- روزانہ کی بنیاد پر 600 مریضوں کی خدمات
- گھر کی دہلیز پر موبائل میڈیکل کیئر

قومی معیشت میں حصہ (2013-14)

- قومی خزانے میں ٹیکسز، لیویز اور ڈیوٹیز کی مد میں 133 بلین روپے جمع کرائے گئے
- 21000 سے زائد افراد کے لئے روزگار (بشمول 5000 سابق فوجی)
- سماجی خدمت میں 111 ملین روپے سے زائد کے فلاحی اخراجات
- شمالی وزیرستان ایجنسی کے نقل مکانی کرنے والوں (IDPs) کیلئے عید الفطر 2014 پر 150 ملین روپے نقد اور 10 ملین روپے کے کپڑے بطور تحفہ

فوجی فاؤنڈیشن

سابق فوجیوں کی بہبود کا پرائیویٹ ٹرسٹ

LINKING THE FRONTIERS

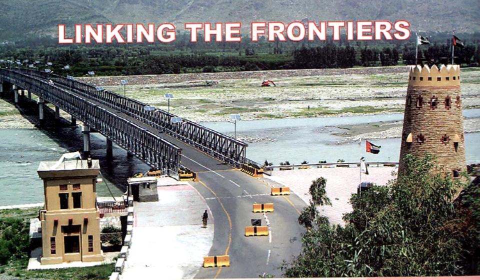

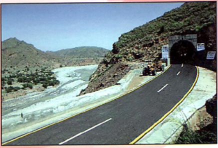

Every Stone is A Milestone

Frontier Works Organization

E-mail: info@fwo.com.pk

Striving for Excellence

website: www.fwo.com.pk

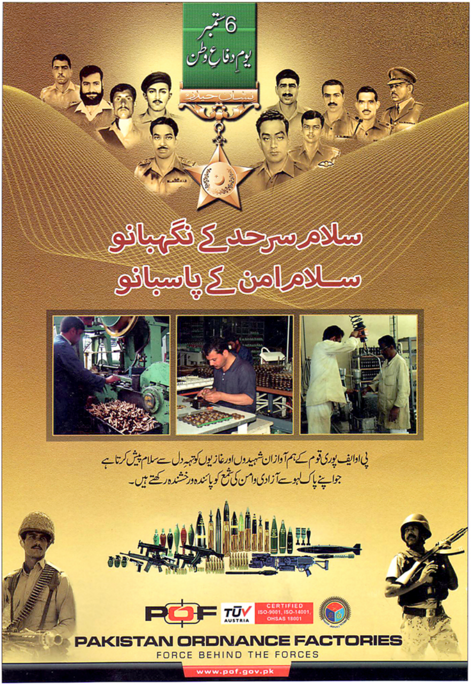

6 ستمبر
یومِ دفاعِ وطن
نشانِ حیدر
سلام سرحد کے نگہبانو
سلام امن کے پاسبانو
پی او ایف پوری قوم کے ہم آواز ان شہیدوں اور غازیوں کو تہہِ دل سے سلام پیش کرتا ہے
جو اپنے پاک لہو سے آزادی و امن کی شمع کو پائندہ و رخشندہ رکھتے ہیں۔
POF
TÜV AUSTRIA
CERTIFIED
ISO-9001, ISO-14001,
OHSAS 18001
PAKISTAN ORDNANCE FACTORIES
FORCE BEHIND THE FORCES
www.pof.gov.pk

HONDA
Atlas Honda
CD70
میں تے ہنڈا ای لے ساں
وہی معیار...
وہی اعتماد... نیا انداز
ایک لیٹر میں 80km تک*
3 YEARS ENGINE WARRANTY
FREE SERVICE
FIRST TIME IN PAKISTAN
اب صرف Rs. 63,500 میں
*Conditions Apply
www.atlashonda.com.pk
AtlasHondaPK
HONDA

ستمبر 2015ء

1948 سے مسلسل اشاعت

ہلال

بری، بحری اور فضائی افواج کا ماہنامہ

www.hilal.gov.pk | www.ispr.gov.pk

1965-2015 GOLDEN JUBILEE A TRIBUTE TO THE MARTYRS OF PAKISTAN 1965-2015 GOLDEN JUBILEE A TRIBUTE TO THE MARTYRS OF PAKISTAN 1965-2015 GOLDEN JUBILEE

Golden Jubilee

1965 2015

A TRIBUTE TO THE MARTYRS OF PAKISTAN